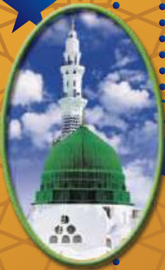

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مارچ 2023ء

اللہ سے تعلق کیسے قائم کریں؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

روزے کے مقاصد

اخلاقی تربیت میں کردار

تربیت کے نبوی مناہج

انسانی طبائع پر اثرات

شیخ الاسلام کے تصورِ تجدید و احیائے دین کی انفرادیت

شبِ براءت

قلب و باطن میں حقیقی تبدیلی کیونکر ممکن ہے؟

23 مارچ 1940ء

تاریخ ساز دن

پاکستان سمیت دنیا بھر میں قائد ڈے کی تقریبات

مرکزی دعائیہ تقریب بسلسلہ قائد ڈے (مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن انٹرنیشنل)

قائد ڈے تقریب: اوسلو۔ناروے

قائد ڈے تقریب: منہاجینز فورم

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 37 / شمارہ: 3 / شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ / مارچ 2023ء

حسنِ ترتیب

اداریہ: 23 مارچ 1940ء کا اخلاقی پیغام	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: اللہ تعالیٰ سے تعلق کیسے قائم کریں؟	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
الفقہ: روزے کے مقاصد اور اخلاقی تربیت میں کردار	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	11
شبِ برأت: قلب و باطن میں حقیقی تبدیلی کیونکر ممکن ہے؟	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	15
احکامِ صوم میں ملنے والی رخصتوں کے مظاہر	ڈاکٹر شبیر احمد جامی	22
تربیت کے نبوی مناہج کے انسانی طبائع پر اثرات	ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد	27
صحیفۂ تاریخ کا زریں عنوان: قراردادِ پاکستان	احسان حسن ساحر	34
نظریۂ حب الوطنی (قرآن و سنت کی روشنی میں)	محمد اقبال چشتی	38
شیخ الاسلام کا تصورِ تجدیدِ دین کی انفرادیت	ڈاکٹر محمد رفیق حبیب	40
فَتْحُ الْعَلَّامِ الْقَادِرْ فِیْ اَلْقَابِ شَیْخِ الْاِسْلَامِ طَاهِرْ	محمد لطیف الحسن	46
قائدڈے تقریبات (رپورٹس)	رمیض حسین	47

چیف ایڈیٹر نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر محمد اشفاق انجم | گرافکس عبدالسلام
خطاطی محمد اکرم قادری | عکاسی قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شارہ | 60 روپے
سالانہ خریداری | 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

خستہ جاں بیمار کو دے دی شفا اچھا کیا
تو نے پھر آساں اُس پر زیست کا رستہ کیا

ٹال دی تو نے الٰہی ابتلا کی ساعتیں
تو نے ہی ہر عقدۂ مشکل کو مولا وا کیا

زیرِ دستوں کو جہاں میں سرفرازی کی عطا
زادگانِ خاک کا سر تو نے ہی اونچا کیا

تیری قدرت کی کرشمہ سازیاں کیا ہوں بیاں
ایک قطرے کو اٹھا کر غیرتِ دریا کیا

گونجتی اب بھی وہاں ہے "لن ترانی" کی صدا
گو زمانے بیتے تو نے طُور پر جلوہ کیا

کھُل گئے اسرار تیرے جس پہ مولا دہر میں
وہ سدا بحرِ تحیر میں ترے ڈوبا کیا

یہ کسی حسنِ عمل کا یا دُعا کا تھا ثمر
بند تھا جو غار اُس میں تو نے اِک دَر سا کیا

وجہِ تخلیقِ جہاں یعنی وہ تیرا شاہکار ﷺ!
شانِ محبوبی کا جس کی سُو بسُو چرچا کیا

﴿ضیا نیّر﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

شہرِ طیبہ سے ضیاؤں کی مہک آئے سدا
رشکِ فردوس فضاؤں کی مہک آئے سدا

خاکِ شہرِ شہِ والا ہے عجب بندہ نواز
ذرّے ذرّے سے سخاؤں کی مہک آئے سدا

ان کی جانب جو تصور میں بڑھاؤں کاسہ
دستِ آقا کی عطاؤں کی مہک آئے سدا

حبِّ سرکار رہے یوں مرے تن من میں بسی
"دل کے کمرے سے ثناؤں کی مہک آئے سدا"

کس قدر آپ کے کنبے میں محبت ہے رچی
بچے بچے سے وفاؤں کی مہک آئے سدا

کُنجِ تنہائی میں آقا پہ پڑھوں جب بھی درود
مجھ کو جنت کی ہواؤں کی مہک آئے سدا

اپنی امت کے گنہگاروں کی بخشش کے لیے
ان کے روضے سے دعاؤں کی مہک آئے سدا

حبسِ ہجراں سے جو گھبراؤں میں اے ہمزآلی
ان کی رحمت کی گھٹاؤں کی مہک آئے سدا

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمزآلی﴾

اداریہ

23 مارچ 1940ء کا اخلاقی پیغام

23 مارچ 1940ء کا دن قیامِ پاکستان کی عملی جدوجہد کا پہلا دن ہے جب بھی تحریک پاکستان کی بات ہوتی ہے تو اس ذکر کا آغاز قراردادِ پاکستان کی منظوری سے ہوتا ہے۔ بلاشبہ اس دن عوام کی طاقت کے سامنے طاغوت کی طاقت دم توڑ گئی اور برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کے حقِ آزادی کے سامنے اس وقت کے انگریز حکمرانوں کو سر جھکانا پڑ گیا۔ تاہم 23 مارچ 1940ء کا عظیم دن لاتعداد قربانیوں اور انتھک جدوجہد کے نتیجے میں مسلمانانِ برصغیر کی زندگیوں میں آیا۔ 23 مارچ 1940ء کی قرارداد کے پسِ منظر میں موجود فکر کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس فکر کا آغاز حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد سے ہوتا ہے۔ حکیم الامت نے فرمایا تھا: یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب العین اور نظام سیاست میں اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزوِ ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخِ حیات متاثر ہوئی۔ اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارو مدار ہے اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے۔

خطبہ الہ آباد میں حکیم الامت اسلام کے آفاقی، اخلاقی اصولوں کی بات کر رہے ہیں۔ یعنی کہ اسلام وہ واحد ضابطۂ حیات ہے جو اخلاقیات کے ترازو پر کھڑا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی تو اس وقت بھی آپ ﷺ کا شمار ممتاز شرفائے عرب میں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی شہرت صادق و امین کی تھی۔ آپ ﷺ کے بارے میں آپ ﷺ کے مخالفین بھی گواہی دیتے تھے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، وعدوں کو پورا کرتے ہیں، کمزوروں کا ساتھ دیتے ہیں اور یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہیں۔ یہ وہ اخلاقی حیثیت اور کردار تھا جس کی وجہ سے عرب کے جنگ و جدل پر مبنی وحشی معاشرے میں آپ ﷺ کے بدترین مخالف بھی الزام تراشی کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ انسانی فلسفۂ حیات اول و آخر اخلاقیات سے عبارت ہے۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ انگریزی زبان بولتے تھے۔ آپ کی وضع قطع اور پہناوا بھی انگریزی تھا اور جس قوم کی آپ قیادت کر رہے تھے، وہ ناخواندہ تھی۔ اعداد و شمار کے مطابق قیامِ پاکستان کے وقت مسلمانوں میں شرح خواندگی 11 فیصد تھی یعنی 89 فیصد مسلمان مکمل طور پر ناخواندہ تھے مگر اس کے باوجود بانی پاکستان کے جلسوں میں ہزاروں، لاکھوں افراد دیوانہ وار شریک ہوتے تھے اور انگریزی زبان کی سمجھ نہ ہونے کے باوجود لوگ آپ کے چہرے کے خدوخال کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتے تھے۔ اس کی واحد وجہ آپ کا بلند ترین اخلاقی معیار تھا۔ لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ محمد علی جناحؒ ایک سچا انسان ہے، ایک دیانتدار شخص ہے، وہ ملت کا پاسبان ہے اور وہ اسلامیانِ برصغیر کے مفادات کا ایک نڈر اور بے باک محافظ ہے۔ یہی وہ اخلاقی قوت تھی جس نے محمد علی جناحؒ کو قائداعظم کے مقام و مرتبہ پر فائز کیا۔ محمد علی جناحؒ جب انگریز کے ساتھ مکالمہ کرتے تھے تو انگریز بھی جانتا تھا کہ ان کے مقابل ایک ایسا شخص ہے

جو اپنی قوم کا سچا اور کھرا ترجمان ہے۔ جس کو ڈارایا، جھکایا یا خریدا نہیں جا سکتا۔ جب دشمن کو بھی مقابل کی اخلاقی حیثیت کا اندازہ ہو تو پھر بات لین دین پر نہیں بلکہ اصول و ضوابط کے دائرے میں مقید رہتی ہے۔

23 مارچ 1940ء کے روز بانی پاکستان اور تحریکِ پاکستان کی قیادت کے اخلاق و کردار کی وجہ سے منٹو پارک لاہور کے سبزہ زار میں لاکھوں افراد جمع ہوئے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ اس تاریخی اجتماع میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے والد گرامی ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ بھی نمایاں طور پر شریک تھے۔ ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین اور بانی پاکستان کے ساتھی تھے۔ گزشتہ سال انہیں تحریک پاکستان کے لئے گراں قدر خدمات انجام دینے پر گولڈ میڈل سے بھی نوازا گیا۔ اس ساری بحث کو اس ایک جملے میں سمویا جا سکتا ہے کہ پاکستان کردار اور اخلاق والی قیادت کا تحفہ ہے اور اگر ہم بحرانوں سے، کرپشن سے اور اقربا پروری سے نجات چاہتے ہیں تو ہمیں پاکستان با کردار اور بااخلاق قیادت کے سپرد کرنا ہوگا۔ ایک ایسی قیادت جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مصطفوی تعلیمات کے عملی نفاذ کی اخلاقی جرأت کی حامل ہو۔

23 مارچ 1940ء کے بعد جب قراردادِ پاکستان منظور ہو چکی اور میڈیا اس حوالے سے تند و تیز تبصرے شائع کر کے اس قرارداد کا مذاق اڑا رہا تھا اور سوالات کی بوچھاڑ تھی۔ مخالفین بھی قائداعظم محمد علی جناح سے سوال کرتے تھے کہ کیسا پاکستان، کیسی پالیسی اور کیسا نظام۔۔۔؟ اس سوال کا بانی پاکستان نے 75 سال قبل جو جواب دیا تھا وہ آج بھی سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ایسے ہر سوال کا جواب دیتے ہوئے بانی پاکستان فرماتے تھے: میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم میں سے زیادہ تر لوگ پاکستان کو عوام کی حکومت کے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ یعنی قائداعظم جمہور کی آواز تھے اور وہ پاکستان کی تقدیر کا مالک بھی عوام کو ہی سمجھتے تھے اور آج بھی اسی فکر کو اپنانے میں ہی پاکستان کے جملہ مسائل کا حل ہے۔

بانی پاکستان نے آج کے پاکستان کو درپیش مسئلہ کا حل بھی 75 سال قبل دے دیا تھا۔ آپؒ نے کہا تھا: میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ جو جبراً خون چوس کر ایسے نظام کے تحت پلے بڑھے، جو انہیں اس درجہ خود غرض بنا دیتا ہے کہ ان کے ساتھ معقول بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عوام کا استحصال ان کے رگ و پے میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے ہیں اور ان لوگوں کی حرص اور خود غرضی نے دوسروں کے مفادات کو اپنے تابع کر لیا ہے تاکہ وہ تونمند ہوتے رہیں۔

یہی بانی پاکستان کی فکر تھی جس کے تحت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قوم کو نظام کی تبدیلی کی سوچ دی کہ یہ نظام جاگیرداروں، سرمایہ داروں کے نرغے میں ہے، وہ کبھی کوئی ایسی پالیسی نہیں بننے دیں گے جس سے اقتدار و وسائل پر ان کی گرفت کمزور ہو یا عام آدمی ان سے سوال کرنے کی پوزیشن میں آجائے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے نظام کی اصلاح کی ضمن میں کئے گئے خطابات 23 مارچ 1940ء کی قرارداد کی تفسیر ہیں۔ شیخ الاسلام نے حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی فکر کے مطابق اہل پاکستان کو ایجوکیٹ کیا اور قوم کو یہ پیغام دیا کہ جتنا جلد ممکن ہو سکے، اس غاصب نظام سے نجات حاصل کریں کیونکہ یہ نظام ہی مسائل و فساد کی جڑ ہے (چیف ایڈیٹر)

اللہ سے تعلق کیسے قائم کریں؟

تعلق باللہ کا راز نفسانی خواہشات سے بریت میں ہے

اجتماعیت کو انفرادیت پر ترجیح دینے سے اللہ سے تعلق قائم ہوتا ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ۔۔۔ معاون: محبوب حسین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.

”سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔“ (الفاتحہ، ۱: ۱۔۳)

سورۃ الفاتحہ اسلامی تعلیمات کا ایک جامع تصور دیتی ہے۔ یہ مضمونِ ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قرآن مجید کا افتتاحی باب (Opening chapter) ہے۔ اللہ رب العزت نے سورۃ الفاتحہ میں ایک پیغام دیا ہے کہ اگر بندہ میرے ساتھ تعلق قائم کرنا چاہتا ہے تو اسے کیا رویّہ اختیار کرنا چاہیے؟

تعلق باللہ کا راز خود سے جدا ہو جانے میں ہے

اس سورۃ کی پہلی آیت: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اس بات کا ذکر ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں مگر یہ ذکر نہیں ہے کہ تعریف کرنے والا کون ہے۔۔۔؟ کس نے تعریف کی ہے۔۔۔؟ اس میں صرف اللہ کا ذکر ہے مگر اس کی تعریف کرنے والے کا ذکر نہیں۔ یعنی جس کی تعریف ہے، اسی کا ذکر ہے۔

اس اسلوب سے اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کو اپنے ساتھ تعلق قائم کرنے کے طریقہ کے بارے رہنمائی فرما رہا ہے کہ میری تعریف کرو، میری حمد کرو، میرا شکر بجالاؤ، میری عظمت بیان کرو مگر اپنے آپ کو درمیان سے نکال دو یعنی اپنی ذات کی نفی کرو۔ میں اس شخص کا تعلق اپنے ساتھ قائم کرتا ہوں جو مجھ سے تعلق قائم کرتے ہوئے خود کو درمیان سے نکال دے۔ جو بندہ اپنی موجودگی کا احساس پیدا کرتا ہے کہ ”اے اللہ! میں تیری تعریف کرتا ہوں“، تو اللہ تعالیٰ اس سے تعلق قائم نہیں فرماتا۔ وہ فرماتا ہے کہ یہ بندہ ابھی خود سے نہیں نکلا، یعنی ”میں“ سے نہیں نکلا تو مجھ سے کیسے ملے گا۔۔۔؟ پس جب تک ہمارے اندر ”میں“ ہے یعنی اپنی ذات کی موجودگی کا احساس ہے اور اپنا دھیان ہے، اس وقت تک وہ نہیں ملتا۔

پس اس سے ملنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو نکال دو۔ خود سے ملو یا خدا سے ملو۔ یہ دو چیزیں اکٹھی نہیں ہوں گی۔ میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ بندہ خود سے ملتا ہے یا خدا سے ملتا ہے۔ بندوں کو خدا تب ملتا ہے جب وہ خود سے جدا ہوتے ہیں۔ جب تک ہم اپنے آپ میں رہتے ہیں اس صورت میں اجر تو مل سکتا ہے، جنت مل سکتی ہے، ثواب مل سکتا ہے، صحت، رزق الغرض ساری نعمتیں مل سکتی ہیں مگر نعمت عطا کرنے والا نہیں ملتا۔

اسی طرح دوسری اور تیسری آیت: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (نہایت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا۔ آخرت کے دن کا مالک ہے۔) میں بھی اللہ نے بندے کا ذکر نہیں فرمایا۔ ان پہلی تین آیات کے اس اسلوب کے ذریعے اس نے بندے کو یہ سکھایا ہے کہ اللہ کیسے ملتا ہے؟ اس سے تعلق کیسے بنتا ہے؟ اللہ سے تعلق تب بنتا ہے جب بندہ خود سے تعلق توڑتا ہے۔

★ (CD#.CB-30)، (تاریخ: 15 جولائی 2022ء)، (بمقام: گلاسگو، سکاٹ لینڈ)

نعمتیں چاہییں یا نعمتوں والا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندہ خود سے کیسے جدا ہو؟ یہ تو بڑا مشکل کام ہے؟ سن لیں! خود کو نہیں چھوڑیں گے تو اللہ نہیں ملے گا۔ اگر اللہ سے تعلق بنانا ہے تو خود کو درمیان سے نکالنا پڑے گا۔ اس لیے کہ جب بندہ خود کو درمیان میں رکھتا ہے تو اس کے اپنے گورکھ دھندے آڑے آجاتے ہیں، اس صورت میں اس نے اللہ سے تعلق کیسے جوڑنا ہے۔۔۔؟ جب وہ ان گورکھ دھندوں میں رہے گا کہ ”مجھے اچھی جاب مل جائے۔۔۔ اچھی ڈگریاں حاصل کروں۔۔۔ میرا بزنس ہو، آمدنی میں اضافہ ہو۔۔۔ شادی ہو جائے۔۔۔ اچھا گھر بنالوں۔۔۔ اولاد مل جائے۔۔۔ بیٹی مل گئی تو کہتا ہے، بیٹا بھی مل جائے۔۔۔ پھر اولاد کے مستقبل کا سوچتا ہے۔۔۔ بچوں کی شادیاں۔۔۔ بیٹی کا گھر اچھا ہو جائے، داماد اچھا نہیں۔۔۔ بیٹے کی شادی ہو جائے تو یہ شکوہ کرتا ہے کہ بہو اچھی نہیں ملی، خدمت نہیں کرتی۔۔۔ پھر دادا اور نانا بن گیا۔۔۔“ الغرض مرتے دم تک یہ دھندے ختم ہی نہیں ہوتے۔

کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں جو خود سے جدا نہیں ہوا اور ان مصیبتوں سے جدا ہو گیا ہو۔ اس کے مسائل ختم ہی نہیں ہوتے۔ زندگی کے مسائل نہ ختم ہونے والے (endless) ہیں۔ جب بندے کی اپنی سوچیں اور پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں تو اس نے اللہ کے تعلق کی space کہاں سے پیدا کرلینی ہے۔۔۔؟ اس کے لیے تو اس کے باطن میں کوئی جگہ ہی نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلا سبق دیا کہ یا تو میری نعمتوں سے تعلق بنالو یا مجھ سے تعلق بنالو۔ اگر نعمتوں سے تعلق بنانا ہے تو یہ بھی درست ہے، یہ ناجائز اور ممنوع نہیں۔ اگر گناہوں سے بچے رہیں تو جنت بھی مل جاتی ہے۔ لیکن اگر اللہ کو پانا ہے تو پھر اپنے آپ کو بھولنا ہوگا۔ جو اللہ کے تعلق میں خود کو درمیان سے نکال دیتے ہیں تو وہ صابر و شاکر ہو جاتے ہیں اور پرسکون رہتے ہیں، پریشان نہیں ہوتے کیونکہ ان کا اللہ پر توکل قائم ہو جاتا ہے۔

پس اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خلوص، وفاداری اور توجہ کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے اور کوئی اور چیز ہمارے اور ہمارے اللہ کے درمیان میں نہ آئے۔

اجتماعیت کو انفرادیت پر ترجیح

سورۃ الفاتحہ کی پہلی تین آیات میں بندہ صرف اللہ کو پکارتا ہے اور اپنا وجود بھول جاتا ہے۔ پھر جب اللہ دیکھتا ہے کہ بندے نے اپنا ذکر چھوڑ دیا ہے اور اپنے آپ کو بھول گیا ہے، تب اس کے بعد آواز آتی ہے کہ اے میرے بندے! اب تو مجھ سے مخاطب ہو، اب مجھ سے بات کر، اس لیے کہ تو خود کو بھول کر مجھ سے تعلق بنا رہا ہے۔ اب بندہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، ہم صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“

اس آیت کے پہلے لفظ ”اِیَّاکَ“ (تیری ہی) میں بھی بندے کا ذکر نہیں ہے۔ پہلے اللہ کا ذکر آیا پھر بعد میں بندے کا ذکر کیا اور یہاں بھی جب بندے کا ذکر آیا تو ”میں“ نہیں کہا بلکہ ”ہم“ کہا۔ ہماری ساری زندگی کا فساد ”میں“ میں ہے۔ یہ ”میں“ ممنوع (Prohibited) ہے، اس فساد کی جڑ کو نکالنے کا حکم ہے۔ نماز اکیلے بھی ادا کر رہے ہیں پھر بھی اجازت نہیں کہ یہ کہیں: ”اے اللہ میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔“ اس اسلوب سے یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ اپنے آپ کو انفرادی طور پر ختم کردیں اور اجتماعیت کو پروموٹ کریں۔

اگر زندگی سے ”میں“ ختم ہو جائے اور ”میں“ کی جگہ ”ہم“ آجائے تو دنیاوی رشتوں میں ہمارے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ وہ رشتہ خواہ ساس بہو کا ہو، بھائیوں کا ہو، بہن بھائی کا ہو، میاں بیوی کا ہو، کزنز کا ہو، دوستوں کا ہو، الغرض ان تمام رشتوں میں جھگڑے کی بنیاد درحقیقت ”میں“ ہوتی ہے۔ یہ تمام جھگڑے ”میں“ سے ہی ابھرتے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن کا سبق یہ ہے کہ اجتماعیت کو انفرادیت پر ترجیح دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ یاد رکھیں! خیر، اجتماعیت میں ہے۔ خیر کے لیے کیا جانے والا کام اور کوئی بھی اجتماعی کوشش اس وقت تک ثمر آور اور مقبول نہیں ہوتی، جب تک اس کام کو کرنے والے اپنی انفرادیت کو ختم نہیں کریں گے۔ اس اجتماعیت سے اس وقت تک سکون نہیں ملے گا، جب تک اس اجتماعی کام کو سرانجام دینے والوں میں سے ”میں“ نہیں

نکلتی۔ مثلاً: اجتماعی سطح پر، تنظیمی سطح پر خیر کے کسی کام کو انجام دینے والوں میں سے کسی کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ ’’مجھے کرسی پر نہیں بٹھایا۔۔۔مجھے آگے جگہ کیوں نہیں دی۔۔۔ میرا نام نہیں لیا۔۔۔ میری کوشش کو سراہا نہیں گیا۔۔۔ میں نے اتنا کام کیا، اس کا ذکر نہیں کیا۔۔۔ اگر ان کے اذہان میں اس طرح کے وساوس جنم لیں گے تو خیر کے لیے انجام دیا جانے والا ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے حضور شرفِ قبولیت سے محروم رہے گا۔ یاد رکھیں! ’’میں‘‘ ایک نہ ختم ہونے والا دھندہ ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔

تحمل و برداشت کا مظاہرہ کریں

اسی طرح دوسروں کی غلطیوں پر تحمل اور بردباری کا اظہار کیا کریں۔ کوئی شخص اگر کسی بڑے منصب اور ذمہ داری پر فائز ہے یا کسی کے پاس کسی بھی نوعیت کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اب اس پر جارحانہ انداز اختیار کرنا مناسب نہیں۔ انسان سے خطا ہوتی ہے، کسی ذمہ داری پر فائز شخص بھی انسان ہے، وہ بھی اپنی ذمہ داری میں غلطی کر سکتا ہے۔ جیسے ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، ویسے ہی دوسروں سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ دوسروں کی غلطیوں پر درگذر سے کام نہ لینا بھی دراصل ’’میں‘‘ ہی کا فتنہ ہے۔ اگر سوچ ’’میں‘‘ سے شروع ہوگی تو پھر جھگڑے پیدا ہوں گے، خیر کا فقدان ہوگا اور تعلق خیر پر مبنی نہیں ہوگا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے زیادتی کر دی تو اب زیادتی تو ایک بار ہوئی ہوگی مگر ہمارے عدمِ توازن اور عدمِ اعتدال کا حال یہ ہے کہ ہم ساری زندگی اس کا غصہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ہم زندگی بھر اس کو معاف کرنے اور اس سے بولنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اگر مخلوقِ خدا کے ساتھ معافی اور درگذر کے حوالے سے ہمارا یہ رویّہ ہو تو ہم کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ ہماری ہزارہا غلطیاں اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔ وہ تو فرماتا ہے کہ اے بندے! تو میری مخلوق کو معاف کر، میں تجھے معاف کر دوں گا۔۔۔ تو کسی کی چھوٹی سی غلطی معاف کرے گا تو میں رب ہوں، میں تیری بے حساب غلطیاں معاف کر دوں گا۔ جیسے ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں معاف کر دے تو اسی طرح ہم بھی دوسرے لوگوں کو معاف کر دیا کریں۔

سورۃ الفاتحہ کی ان آیات میں یہی پیغام ہے کہ جب میں اپنی عبادت جیسے عظیم کام میں ’’میں‘‘ نہیں آنے دیتا تو تم اپنے معاملات میں ’’میں‘‘ کو کیوں لاتے ہو۔۔۔؟ ہمارے تمام جھگڑوں، ناچاقیوں اور فساد کا سبب ’’میں‘‘ ہی ہے۔ شیطان بھی اسی ’’میں‘‘ کے گناہ کی وجہ سے دھتکار دیا گیا تھا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اسی ایک لفظ نے اسے برباد کر دیا۔ ’’میں‘‘ درحقیقت شیطان کی بھڑکائی ہوئی چنگاری ہے، اسی سے تعلقات اور رشتہ داریاں خراب ہوتی ہیں، اسی کی وجہ سے اللہ کے ساتھ تعلق بھی خراب ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے مخلوق سے تعلق میں بھی خرابی آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سبق دیا ہے کہ انفرادیت کو ختم کر کے اجتماعیت میں گم ہو جاؤ۔ انفرادی طور پر مت سوچا کریں بلکہ اپنی سوچ کو اجتماعیت میں تبدیل کریں کیونکہ اجتماعی سوچ کو اپنانے میں ہی خیر ہے۔ اس اجتماعی سوچ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود غرضی، حرص، لالچ، ذاتی ہوس اور طمع ختم ہو جائے گی۔ ’’ہم‘‘ کا لفظ بولیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ دوسروں کے لیے بات کر رہے ہیں اور اسی سے جھگڑا ختم ہوگا، خیر کے دروازے کھلیں گے اور نیکی اور بھلائی کے چشمے پھوٹیں گے۔ اگر یہ چیز قائم ہو جائے تو اسی سے اللہ سے دوستی قائم ہوتی ہے اور یہی ولایت اور اللہ کے ساتھ دوستی کا چشمہ ہے۔

وسعتِ ظرف پیدا کریں

اللہ تعالیٰ نے بندے کو سورۃ فاتحہ میں اپنے سے بات کرنے اور تعلق قائم کرنے کا ادب یہ سکھایا کہ جب اللہ سے بات کریں تو تب بھی ’’میں‘‘ نہیں کہنا بلکہ ’’میں‘‘ سے نکلنا ہے اور اللہ سے دعا کرنی ہے کہ اے اللہ مجھ سے ’’میں‘‘ نکال دے۔ اگر کسی کو کسی وجہ سے کسی سے رنج اور ناراضگی ہے اور جس سے ناراضگی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ اس نے غلطی کی ہے، لہذا میں معافی مانگ لوں تو اب کتنا اچھا ہو کہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، وہ اپنے ظرف میں وسعت لائے اور اس کے پاس چلا جائے جس نے زیادتی کی اور کہے کہ مجھے معاف کر دو۔

جس کے ساتھ زیادتی ہوئی، وہی زیادتی کرنے والے سے معافی مانگے تو ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کی معافی مانگے۔۔۔؟اس کا جواب یہ ہے کہ جس دن اس نے زیادتی کی تھی، اس دن سے لے کر آج تک اُس نے اپنے دل میں اِس کے لیے ناراضگی رکھی ہوئی ہے۔ یہ جو ناراضگی پال رکھی ہے، اس پر جاکر معافی مانگیں۔ بے شک دوسرا بندہ اس زیادتی کا ذمہ دار ہے مگر ایسی حالت کو دل میں رکھنا یہ بھی گناہ ہے بلکہ زیادتی کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لیے کہ زیادتی کرنے والے نے زبان یا عمل سے زیادتی کی مگر جس نے اس سے ناراضگی رکھی تو اس نے اپنے دل میں اس ناراضگی کو رکھا۔ لہذا دل کا آلودہ ہونا عمل کے آلودہ ہونے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ دل اللہ کی جگہ تھی، جہاں اللہ کا پیار ہونا تھا، وہاں بندے کی ناراضگی، بغض اور نفرت آگئی۔ لہذا دل میں نفرت، بغض کا ہونا عمل کے گناہ سے بڑا گناہ ہے، اس لیے جاکر اس سے معافی مانگے کہ اتنے عرصے سے میں نے آپ کے خلاف ناراضگی رکھی ہوئی ہے۔

دوسروں کا سوچیں

سورۃ الفاتحہ کی اگلی آیت میں فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔

یہاں بھی اللہ نے ''میں'' کی جڑ کو کاٹ دیا ہے۔ یہ کہنے کی بھی اجازت نہیں دی کہ اے اللہ ''مجھے'' سیدھی راہ دکھا بلکہ بندہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ ''ہمیں'' سیدھی راہ دکھا۔ گویا سیدھی راہ کی ہدایت کی طلب میں سارے شامل ہوگئے۔ جب بندہ ہر ایک کو شامل کرکے ہر ایک کے لیے دعا کرتا ہے تو اس بندے کا دل بڑا ہوتا ہے اور بندے کے دل کا بڑا ہونا سب سے عظیم کام ہے۔ اللہ رب العزت جب دیکھتا ہے کہ میرا یہ بندہ دوسرے بندوں کا سوچتا ہے، تو وہ اسے اور زیادہ عطا کرتا ہے۔ پس بندے کا دل جتنا بڑا اور وسیع ہوجائے گا، اللہ اسی قدر اس پر عظیم رحمتیں نازل کرتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ یہ میرے دوسرے بندوں کا سوچتا ہے۔۔۔ اس نے میرے بندوں کا فکر کیا۔۔۔ لہذا میں رب ہو کر اسے اور زیادہ عطا کرتا ہوں۔ اس طرح اللہ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ کی مخلوق کے لیے جتنا اچھا سوچتے ہیں، اللہ ہمارے لیے اتنا اچھا کرتا ہے۔ جب ہم زندگی کے ہر لمحہ میں اور ہر قدم پر اس کی مخلوق کی فکر کریں گے، اللہ ہمارے ہر معاملہ میں خیر کردے گا۔

نیک صحبت میں بقا ہے

صراطِ مستقیم کی ہدایت کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدھی راہ کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: صراط الذین انعمت علیھم (جو تیرے انعام یافتہ لوگ ہیں ان کے راستے پر چلا۔) جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں اور اپنا لطف کیا، وہ لوگ انعام یافتہ ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ نے انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ جڑ جانے کا حکم دیا۔ جب بندہ تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے یا کوئی اور اجتماعی نیک کام دنیا میں کرتا ہے تو اس سے جڑنے کا فائدہ یہ ہے کہ اجتماعی فکر پیدا ہوتی ہے، ''میں'' یعنی انفرادی سوچ سے بندہ باہر نکل آتا ہے، دوسرے اچھائی کا سوچتا ہے، اپنی اولاد، فیملی، اعزاء واقارب اور دوستوں کی بھلائی کا سوچتا ہے۔ گویا سوچ کو تنگ دائرے سے نکال کر بڑے دائرے میں لے جانا، انعام یافتہ بندوں کا طریق ہے۔ جب ان انعام یافتہ لوگوں سے جڑے رہیں گے، ان کی راہ پر چلیں گے تو پھر شیطان کے حملوں کا دفاع کر سکیں گے۔

اگر کسی بھی اجتماعی سوچ کے ساتھ مستقل اور باقاعدگی کے ساتھ نہیں جڑتے بلکہ تنہا رہتے ہیں، خواہ وہ مسجد ہے، دینی ادارہ یا کوئی تنظیم ہے تو ہم صرف ایک انسان ہیں اور شیطان کسی بھی وقت ہمیں ورغلا سکتا ہے اور سیدھے راستے سے ہٹا سکتا ہے۔ ہمارے تین دشمن ہیں: دنیا، نفس اور شیطان۔ ان میں سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ دنیا کی تمام بری صحبتیں (Companies) ہم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ نفس امارہ ہر وقت ہمیں بری چیزوں کی طرف دھکیلتا اور گناہ کی رغبت دلاتا ہے۔ حتی کہ ہم اکیلے ان تین بڑے دشمنوں سے اپنے ایمان اور عقیدے کا تحفظ نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنی اولاد اور نسلوں کا دفاع کر سکتے ہیں۔

ہمیں اپنے ایمان اور اولاد کے ایمان کے تحفظ کے لیے اجتماعیت کا حصہ بننا ہوگا۔ اگر ہم خود کو ان شیاطین سے بچانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو اولاد کو نہ بچا پائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی نسل کو بچالیں گے مگر اگلی نسل ان کے حملوں کی زد میں آجائے گی۔ آج کے زمانے میں اولاد اور نسلوں کے

روحانی معاملات کا تحفظ تنہا رہ کر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے اجتماعیت کی طرف مستقل اور باقاعدگی کے ساتھ رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ اجتماعیت ہمیں تحفظ دیتی ہے۔ مثلاً: وہ مسجد، مدرسہ، تنظیم اور ادارہ جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے، تعلیم دی جاتی ہے، ہر وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پیغام کو دہرایا جاتا ہے، جب مسلسل ایسی سرگرمیوں (activities) کا حصہ رہیں گے، ذمہ داری کے ساتھ ہدایات سن کر دوسروں تک پہنچائیں گے تو یہ امور ہمارے اور ہماری نسلوں کے ایمان کے تحفظ کا قلعہ بن جائیں گے۔ اس لیے ”صراط الذین انعمت علیھم“ کا حکم ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کی صحبت سے جڑ جائیں، ان سے فیوضات و برکات حاصل کریں اور ان کی گفتگو، کتب اور تعلیمات کو سن اور پڑھ کر اللہ سے تعلق قائم کریں۔

یہی سرگرمیاں (activities) ہمارے ایمان کی حفاظت کریں گی، اجتماعیت کا حصول تحفظ کا حصول ہے۔ انعام یافتہ لوگوں سے تعلق قائم کرنا ہمارے دین کی حفاظت (protection) ہے۔ جبکہ تنہائی (isolation) کا مطلب ہے کہ ہم شیطان کے حملے کا نشانہ بن گئے اور ایمان غیر محفوظ ہوگیا۔ انعام یافتہ لوگوں سے منقطع اور لاتعلق (disconnect) رہ کر کبھی ہم خود کو اور اپنی اولاد کو نہیں بچا سکتے۔

وہ خاندان جو بچوں کو چھوٹی عمر سے مسجد، ادارے، مرکز، دینی حلقے میں تعلیم و تربیت کے لیے نہیں لے جاتے تو وہ بچے بڑے ہوکر بگڑ جاتے ہیں۔ پھر والدین روتے ہیں کہ بچے ہماری بات نہیں مانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان بچوں کو کچھ سمجھانے کا وقت تھا تو وہ وقت ہم نے ضائع کردیا۔ لہذا بچوں کے سمجھدار ہونے سے پہلے ان کا مسجد سے تعلق جوڑیں، ان کے اندر دین سے محبت پیدا کریں تاکہ دین ان کی فطری حاجت بن جائے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کا مطلب ہے اللہ کی نعمتیں جہاں ملتی ہیں، اس سے جڑ جائیں۔ مسجد، اداروں، دینی مدرسوں، علمی اور روحانی تربیت کی مجالس سے برکتیں اور نعمتیں ملتی ہیں، لہذا ان سے جڑے رہنے میں ہی ایمان کی حفاظت ہے۔

صحبتِ بد سے اجتناب

پھر فرمایا: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

یعنی جہاں اللہ کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے، ان سے دور ہوجائیں، ان کی صحبت چھوڑ دیں۔ خواہ وہ دوست ہیں، کلاس فیلوز ہیں، جاب فیلوز ہیں، ان کی صحبت چھوڑ دیں اور ان کے پاس نہ جائیں۔ وہ ہمارے ایمان کو برباد کردیں گے۔۔۔ اللہ کی رحمتوں، نعمتوں اور ہدایت سے ہمیں دور کردیں گے۔۔۔ یاد رکھیں! دو چیزیں اکٹھی نہیں چل سکتیں، جیسے ایک ہی وقت میں مشرق اور مغرب کا سفر ناممکن ہے، جس طرح دن اور رات، سردیوں اور گرمیوں کا موسم ایک وقت میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح رحمٰن اور شیطان دونوں کے راستے پر بیک وقت چلنا ناممکن ہے۔ لہذا ایک راستہ لینا پڑے گا اور وہ راستہ وہ ہے جو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور انعام یافتہ لوگوں کی طرف لے جاتا ہے۔ شیطان کی طرف جانے والے راستہ کو ترک کرنا ہوگا۔ نیکی اور گناہ ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ نیکی کی طرف جائیں گے یا برائی کی طرف۔ لہذا جہاں سے نیکی کا سبق ملتا ہے، نیکی کی حرارت ملتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا سبق ملتا ہے، اس سے جڑیں، اپنی اولاد کو جوڑیں، یہی تعلق ہمارے ایمان کا تحفظ کرے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان لوگوں کی صحبت میں نہ جاؤ جو اللہ کی ناراضگی کا شکار ہیں۔

سورۃ الفاتحہ میں مذکور یہ پیرامیٹرز وہ ذمہ داریاں ہیں، جو بطورِ مومن اور مسلمان ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اس بات کو اللہ رب العزت نے ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا:

قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا۔ (التحریم، ٦٦: ٦)

” اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ“

صرف نیکی کی بنیاد پر خود کو دوزخ سے بچالیا مگر بچوں کو نہ بچاسکے تو کام پورا نہیں ہوگا بلکہ پکڑے جائیں گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے آپ کو بھی اور اپنے اہل و عیال کو بھی دوزخ سے بچاؤ۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام درحقیقت اپنے آپ کو اللہ کے سپرد (submission) کردینے کا نام ہے۔ اپنی خواہشات، choice، ideas، thoughts، ترجیحات الغرض ہر وہ چیز جس کے بارے میں ہم سوچ اور خیال رکھتے ہیں وہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد کردینا اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول ﷺ کی اطاعت کے ذریعے دل و دماغ، خیالات، خواہشات، نظریات (ideas)، مزاج اور رویے خالص ہوجاتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں خود سپردگی اور خلوص زندگی تبدیل کردینے کا باعث بنتا ہے۔

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرلیتے ہیں تو ان کا اجر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن اپنی صحبت عطا فرمائے گا۔ اس لیے اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی وفاداری، تابعداری، اطاعت و فرمانبرداری والی زندگی گزاریں۔ اللہ کی بارگاہ میں اس کی محبت کے حصول کا دارومدار اس چیز پر ہوگا کہ بندے نے کتنی پاکیزہ اور خالص زندگی گزاری تھی۔ اس کی زندگی کا ہر عمل خواہ وہ نظر آنے والا ہے یا پوشیدہ، وہ وہاں ظاہر ہوجائے ہوگا۔ یہاں جس معیار کی نیکی کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے مطابق جنت میں ہمیں صحبت عطا فرمائے گا۔ اللہ کی بارگاہ سے جنت میں ملنے والی صحبتیں چار طرح کی ہوں گی۔ فرمایا:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ (النساء، ۴: ۶۹)

”تو یہی لوگ (روزِ قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔“

ہم اپنی زندگی کو جتنا خالص کریں گے اور نیکی کو حاصل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس نیکی کے مطابق انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے کس ایک صحبت کا ہمارے لیے فیصلہ کرے گا۔ یہ ہماری کوشش اور محنت پر منحصر ہے۔ یہ چار صحبتیں انہیں ملیں گی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سچے وفادار اور تابعدار ہوں گے۔

منہاج القرآن کا مشن کیا ہے؟

اللہ رب العزت نے ان چار صحبتوں کو ذکر کرکے آخر میں فرمایا:

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النساء، ۴: ۶۹)

”اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔“

منہاج القرآن کی رفاقت کا تصور اسی آیت کریمہ سے لیا گیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھے رفیق کیسے بنیں گے؟ یاد رکھیں! رفیق بننا صرف فارم پر کرنا یا کسی جماعت سے رسمی وابستگی قائم کرنا نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری رفاقت، مریدی اور سنگت میں آجاؤ پھر بیڑا ہی پار ہے اور کسی قسم کی فکر ہی نہیں۔ ممکن ہے کوئی ایسی سوچ رکھتا ہو مگر منہاج القرآن کی یہ سوچ اور فکر نہیں ہے۔ یاد رکھیں! اگر اس راستے پر سچائی کے ساتھ نہیں چلیں گے تو کوئی ہمیں تھام نہیں سکتا۔ یہ اللہ کا واضح فیصلہ ہے لیکن اگر اس رفاقت کے حقوق ادا کردیں جو اللہ نے بیان کیے ہیں تو بہت سی شفاعتیں کام آئیں گی۔ قیامت کے دن پھر بہت سے شفاعت کرنے والے ہوں گے اور اگر اس حق کو ادا نہیں کریں گے تو کوئی کام نہیں آئے گا۔ اس کے برعکس کوئی کچھ اور کہتا ہے تو وہ درست بات نہیں ہے۔

یاد رکھیں! منہاج القرآن کی رفاقت اس وقت تک کام نہیں آئے گی جب تک منہاج القرآن کے بتائے ہوئے کام پر عمل نہیں کریں گے اور وہ کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی غلامی ہے۔۔۔ زندگی کو گناہوں سے پاک کرنا۔۔۔ اور اللہ کے احکامات کی اطاعت کرنا ہے۔ یہی منہاج القرآن کا پیغام ہے۔ منہاج القرآن بنایا ہی اس لیے ہے کہ جو لوگ بھول گئے ہیں ان کو یاد کرایا جائے۔۔۔ اور جو بھٹک گئے ہیں انھیں سیدھی راہ پر چلایا جائے۔۔۔ جو سیکھ گئے اور سمجھ گئے ہیں، ان کو مزید آگے بڑھایا جائے۔ یہ انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر منہاج القرآن کے مقاصد ہیں۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جو بھی نیکی کے کام ہوں اور نیکی پر ڈالنے والے مشن ہوں، ان سے جڑ جائیں۔ انسانوں کی آپس میں ناراضگیاں اور رنجشیں ہوتی ہیں، یہ انسانی معاملہ ہے مگر کتنی نادانی ہے کہ آپس کی ناراضگی کی وجہ سے ہم خیر کے امور، دین کی خدمت اور دوسروں کی بھلائی کے کاموں سے محروم ہوجائیں۔ ایسا کرنا اپنے آپ پر بڑا ظلم ہے۔ لہذا ذاتی رنجشوں کو کبھی فوقیت نہ دیں بلکہ بھلا دیں اور ان معاملات کو بھلانے کا طریقہ یہ ہے کہ خود سے جدا ہوجائیں اور اللہ سے تعلق قائم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ مبین پر استقامت عطا فرمائے اور اسلامی تعلیمات پر دل و جاں سے عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

❀❀❀❀❀

فلسفۂ صوم

روزے کے مقاصد اور اخلاقی تربیت میں کردار

عاقل و بالغ ہر مسلمان مرد و عورت پر روزے فرض ہیں

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

عربی زبان میں روزہ کو صوم کہتے ہیں، جس کا لغوی مفہوم ہے ”رکنا۔ باز رہنا۔“

الصوم فی الا صل الا مساك عن الفعل كان مطعما او كلاما او مشياو لذالك قيل للفرس المسك عن السير او العلف صائم۔ (الراغب اصفہانی، مفردات، ص۴۹۳)

”اصل میں صوم کا معنی ہے کسی فعل سے رک جانا، خواہ کھانا ہو خواہ گفتگو ہو یا چلنا پھرنا ہو۔ جو گھوڑا چلنے سے یا چارہ کھانے سے رک جائے اسے صائم کہتے ہیں“

ہوا ٹھہری ہوئی ہو تو اسے بھی صوم کہتے ہیں۔ دوپہر کے وقت کو بھی صائم کہتے ہیں گویا سورج آسمان پر ٹھہر گیا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں صوم کا مطلب ہے:

امساك المكلف بالنية من الخيط الا بيض الى الخيط الاسود عن تناول الا طبين والا ستمناء والا ستقائ۔

(الراغب الاصفہانی، مفردات، ص: ۲۹۳)

”عاقل بالغ مسلمان کا نیت کے ساتھ، سپیدہ سحر سے رات تک کھانے پینے، خواہشِ نفس اور دانستہ قے کرنے سے رک جانا“۔

ترك الا كل والشرب والجماع من الصبح الى غروب الشمس بنيه التقرب من الاهل۔

عاقل بالغ کا عبادت کی نیت سے صبح سے غروب آفتاب تک، کھانے پینے اور قربت سے پرہیز کرنا۔“

(شیخ نظام الدین، عالمگیری، ۱: ۱۹۴)

قرآن مجید کی روشنی میں

فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (البقرہ۲: ۱۸۳۔ ۱۸۵)

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اے ایمان والو! (یہ) گنتی کے چند دن (ہیں) پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کر لے، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے، پھر جو کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے، اور تمہارا روزہ رکھ لینا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو۔ رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے

ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں، پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے، اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے دشواری نہیں چاہتا، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کر سکو اور اس لیے کہ اس نے تمہیں جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس لیے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

روزے کے مقاصد

قرآن کریم کی مذکورہ آیاتِ میں روزہ کے درج ذیل تین مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں:

ا۔ تقویٰ

تقویٰ کا لغوی معنی بچنا اور پرہیز کرنا ہے۔روزہ رکھنے سے انسان کا یقین پختہ ہوتا ہے۔ ہر عبادت میں نمود و نمائش کا احتمال ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، ذکر، جہاد، صدقہ، تعلیم، تدریس ان میں سے ہر نیکی میں دو پہلو ہیں:

اوّل یہ کہ عمل کرنے والا خلوص نیت سے، محض اللہ کی رضا کی خاطر نیکی کر رہا ہے۔اس صورت میں اس کی نیکی یقینا مقبولِ بارگاہ ہے اور اللہ کے حضور اس کی قدر و وقعت ہے، جس کی جزا دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نیت میں فتور ہو اور مقصد اللہ کی رضا نہ ہو مثلاً: نمود و نمائش، شہرت و ناموری وغیرہ، اس صورت میں کسی جزا کی توقع فضول ہے۔

جبکہ صرف روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں خلوص ہی خلوص ہے۔ ریا کا شائبہ تک نہیں۔کون روزے سے ہے کون نہیں؟ اس کا علم اللہ کو ہے یا متعلقہ شخص کو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ۔ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ۔ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ۔ (بخاری، الصحیح، ۲:۶۷۳، الرقم: ۱۸۰۵)

’’بنی آدم کا ہر عمل اسی کے لئے ہے سوائے روزہ کے۔ روزہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں۔ اور روزہ ڈھال ہے اور جس روز تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو نہ فحش کلامی کرے اور نہ جھگڑے اور اگر اسے (روزہ دار کو) کوئی گالی دے یا لڑے تو یہ وہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہء قدرت میں محمد مصطفی ﷺ کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کو مشک سے زیادہ پیاری ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، جن سے اسے فرحت ہوتی ہے: ایک (فرحتِ افطار) جب وہ روزہ افطار کرتا ہے، اور دوسری (فرحتِ دیدار کہ) جب وہ اپنے رب سے ملے گا تو اپنے روزہ کے باعث خوش ہوگا۔‘‘

۲۔ اللہ کی بڑائی

مذکورہ آیت میں روزے کے دوسرے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ’’وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ‘‘ یعنی تم اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ ایک طرف کھانے پینے اور شہوانی نفسانی خواہشات، جو انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور دوسری طرف حکمِ خداوندی ہے۔ روزے دار حکم خداوندی کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی زبانی ہی نہیں عملاً بڑائی کا اظہار و اقرار کرتا ہے اور خواہشاتِ نفس کو کنڑول کرتا ہے۔

۳۔ شکر ادا کرنا

روزے کے تیسرے مقصد کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ”تاکہ تم شکر کرو“۔

ہم شب و روز اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں لیکن ان کی عظمت و منزلت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہ ہوا جو ہر وقت ہم لیتے رہے ہیں، زندگی کے لئے کتنی ضروری ہے۔ دو چار منٹ نہ ملے تو مر جائیں، بلا محنت و مشقت اور بغیر قیمت ہر شخص اسے استعمال کرتا ہے، اگر اس

کی بہم رسانی میں تھوڑی سی بد نظمی ہو جائے، تھوڑا سا تعطل ہو جائے تو ہمارا وجود ختم ہو جائے۔ الحمدللہ یہ ہمیں بالکل مفت مل رہی ہے۔ اسی طرح مختلف الانواع کھانے، پھل، غذائیں، مشروبات جو ہم کھا پی رہے ہیں، ہم ان کی قدرت و منزلت سے غافل ہیں۔ روزے سے ہمارے اندر ان نعمتوں کی اصل قدر و منزلت کا احساس ہوتا ہے اور ہم بے اختیار ذاتِ باری تعالیٰ کے شکر گزار بن جاتے ہیں۔ روزے کے حال میں اپنی بھوک و پیاس کے سبب ایک طرف اللہ تعالیٰ کے بے پایاں رزق کی قدر معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف نہ صرف رمضان المبارک میں بلکہ ہمارا روزہ ہمیں سال بھر بھوکوں کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا ہے کہ اپنا روزہ یاد کر کے بھوکوں کی بھوک کا احساس کرو۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، انسان ہو یا حیوان، ہر بھوکے کو کھانا کھلاؤ، ہر پیاسے کو پانی پلاؤ۔ اس پر اللہ تمھیں اجر دے گا۔ یہ عمل اللہ کی نعمتوں کا حقیقی شکر ہے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

روزوں کے مقاصد اور فضیلت کو آپ ﷺ نے اپنے متعدد فرامین کے ذریعے واضح فرمایا۔ ذیل میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب الصوم، باب صوم رمضان احتسابا من الایمان، ۱: ۲۲، الرقم: ۳۸)

”جو شخص بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔“

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ وفی رواية: فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، ۳: ۱۱۹۴، الرقم: ۳۱۰۳)

”جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ) جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان (زنجیروں میں) جکڑ دیئے جاتے ہیں۔“

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَ زَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔ وَقَالَ: الصِّيَامُ نِصْفُ الصَّبْرِ۔ وفی رواية: صَلُّوْا تَنْجَحُوْا وَزَكُّوْا تُفْلِحُوْا وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا وَسَافِرُوْا تَغْنَمُوْا۔ رَوَاهُ الرَّبِيْعُ۔ (اخراجہ البخاری فی الصحیح، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، ۲: ۶۷۳، الرقم: ۱۸۰۴)

”ہر ایک چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے اور روزہ آدھا صبر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نماز پڑھو نجات پا جاؤ گے اور زکوٰۃ ادا کرو فلاح پا جاؤ گے اور روزے رکھو، صحت و تندرستی پاؤ گے اور سفر کرو غنی ہو جاؤ گے۔“

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ۔

”جو شخص (بحالتِ روزہ) جھوٹ بولنا اور اس پر (برے) عمل کرنا ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔“

اخلاقی تربیت میں روزے کا کردار

قدرت نے انسان کو گونا گوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، جن کا احاطہ نا ممکن ہے، تاہم آسانی کے لئے ہم ان کو تین طاقتوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ قوتِ عقلیہ ۲۔ قوتِ شہویہ ۳۔ قوتِ غضبیہ

۱۔ قوتِ عقلیہ

آج کے مادی دور میں ہمیں جو نت نئی ایجادات نظر آ رہی ہیں، یہ قوتِ عقلیہ کے کرشمے ہیں۔ موٹر گاڑی، جہاز، ٹیلی فون، انٹرنیٹ، ٹی وی، بجلی کے استعمالات، تعمیرات، طب، سیٹشری، لباس، رہن سہن، تعلیم، رسل و رسائل، صنعت،

تجارت اور سامانِ ضرب و حرب وغیرہ میں جو ترقی اس صدی میں ہوئی اور ہر شعبہ زندگی جس تیز رفتاری سے آگے بڑھا، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ایک صدی پیچھے چلے جائیں تو یہ امور خواب و خیال میں بھی نہ آسکیں لیکن آج یہی حقائق ہیں جن سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔بلا شبہ جدید علوم و فنون نے دنیا کی کایا پلٹ دی ہے اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے لیکن اس ترقی نے جہاں دنیا کو ہر میدان میں بے شمار سہولتیں میسر لیں وہاں اسی ترقی نے ایسے مہلک ہتھیار بھی دیئے کہ جن کے استعمال سے دنیا کی تمام چہل پہل ختم ہو جائے، انسانی تمدن نے صدیوں کی محنت سے جو مقام حاصل کیا، وہ لمحوں میں تباہ ہو جائے، طب، صنعت اور مواصلات و توانائی کے تمام ذخیرے چند ساعتوں میں نیست و نابود ہو جائیں۔تیرو تلوار کی جنگوں نے صدیوں میں انسانوں کا اتنا خون نہیں بہایا جتنا ہتھیاروں کی صورت میں عقلِ انسانی کی جدید دریافت نے نقصان پہنچایا۔نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے استعمال سے زندگی کے دوسرے شعبوں میں مخلوقِ خدا کی بہبود کی ہزاروں صورتیں نکالی جا سکتی ہیں، مگر افسوس کہ اس حوالے سے ٹھوس اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ انسانوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی جائے۔جن کے ہاتھوں میں یہ جدید ترین طاقت ہو، ان کے دلوں کو انسانی جذبۂ محبت سے سرشار کیا جائے تاکہ تعصبات کے مارے ہوئے ان لوگوں کے سینوں میں مخلوق خدا کی محبت سے پگھلنے والے دل پیدا ہوں اور یہ مقصد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے سوا کہاں مل سکتا ہے؟ لہٰذا قوتِ عقلیہ کی تربیت صرف احکاماتِ نبویہ سے ہو سکتی ہے۔

۲۔ قوتِ شہویہ

پھول کے رنگ وبو، چشموں کی سریلی آوازوں، باغوں اور لہلہاتے کھیتوں، قوس و قزح کے رنگوں اور اچھی صورتوں سے کس کو پیار نہیں؟ یہ بات چنداں معیوب نہیں، اس کا تعلق قوتِ شہویہ ہے۔اسی قوت سے بیوی اور بچوں سے پیار ہوتا ہے، اچھے مکانوں، اچھے لباسوں اور اچھے کھانوں کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔جس کی نتیجے میں انسان محنت کرتا اور نت نئی چیزیں ایجاد کرتا رہتا ہے جس سے معاشرہ ارتقاء پذیر رہتا ہے لیکن یہی قوتِ شہویہ اگر بے قابو ہو جائے تو بدکاری، بے حیائی اور برائیوں کو جنم دیتی ہے۔

۳۔ قوتِ غضبیہ

کسی کی ماں، بیٹی، بہن یا کسی اور عزیزہ کو کوئی بری نگاہ سے دیکھے، کسی کی عزت پر حملہ کرے، کسی کے بزرگوں کی توہین کرے، کسی کی حق تلفی کرے تو انسان کی قوتِ غضبیہ جوش میں آتی ہے اور انسان کو مرنے مارنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ قوتِ غضبیہ کے اسی مثبت پہلو سے انسان اپنی عزتِ نفس، اپنی آزادی اور اپنے روحانی و مادی مقاصد کی حفاظت کرتا ہے۔یہ نہ ہو تو انسان بے غیرت، کمزور اور غلام بن جائے۔

لیکن اسی قوت کا ایک منفی پہلو بھی ہے جس کے تحت انسان معمولی باتوں پر غصے میں آجاتا ہے اور ایسے ایسے غلط یا ظالمانہ اقدامات کر بیٹھتا ہے کہ جن پر انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔آج دنیا میں قدم قدم پر اس کے آثار ملتے ہیں۔دنیا بھر میں کمزور اقوام کا ہر طرح کا استحصال ہورہا ہے اور طاقتور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھانے سے دریغ نہیں کرتے۔ایک طرف سیاسی و جغرافیائی استحصال ہے تو دوسری طرف معاشی استحصال نے امیر اور غریب کے درمیان ایک واضح فرق قائم کردیا ہے۔ یہ قوتِ عقلیہ، شہویہ اور غضبیہ کے منفی پہلو ہیں۔

جس طرح قوتِ عقلیہ کو صحیح راستے پر لانے کے لئے اچھی تعلیم و تربیت ضروری ہے اسی طرح قوتِ غضبیہ و شہویہ کو مکمل کنٹرول کرنے اور ان کو حد اعتدال پر رکھنے کے لیے روزے سے بہتر کوئی علاج نہیں۔جب انسان کا پیٹ کھانے پینے سے خالی ہو، رات کو قیام اور دن کو صیام کی صورت میں قوتِ غضبیہ و شہویہ کو نکیل ڈال دی جائے تو ان ہر دو قوتوں کے منفی اثرات سے معاشرے کو بچایا جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اسلامی عبادات پر سمجھ کر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔

شبِ برأت

قلب و باطن میں حقیقی تبدیلی کیونکر ممکن ہے؟

اس مبارک رات قطع رحمی کرنے والے، بدکار و کینہ پرور اور والدین کے نافرمان نگاہِ رحمت سے محروم رہتے ہیں

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری (چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل)

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔

”اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور رجوعِ کامل سے خالص توبہ کرلو، یقین ہے کہ تمہارا رب تم سے تمہاری خطائیں دفع فرما دے گا“ (التحریم، ٦٦: ٨)

نصف شعبان کی شب مبارک جسے شبِ توبہ اور شبِ برأت سے موسوم کیا گیا ہے، اس رات ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنے گناہوں، لغزشوں، خطاؤں، غفلتوں اور معصیت پر نادم ہوتے ہوئے اس کی مغفرت، بخشش اور رحمت کے طلبگار بن کر حاضر ہوتے ہیں۔ اس رات ہمیں اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل اپنے کرم، بخشش اور عطا سے ہمیں اس قابل کردے کہ ہم اس کے حضور حقِ عبادت ادا کرنے والے اور اس کو منانے والے بن جائیں۔ ہم سالہا سال سے معصیت و نافرمانی کی دلدل میں دھنستے جارہے ہیں، ان حالات میں ہمیں ایسی توبہ کی توفیق سے اپنے آپ کو مزین کرنا ہوگا کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے اور گناہوں کی اس زندگی سے ہم ایسے پاک و صاف ہو جائیں کہ جیسے حضور نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے پاکیزہ زندگی چاہتے تھے۔

آقا علیہ السلام کے اپنی امت پر جتنے انعام و اکرام ہیں، ان میں سے ایک کرم ۱۵ شعبان المعظم شبِ برأت کی صورت میں بھی عطا ہوا ہے۔ اس مقدس رات کے حوالے سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

أَتَانِي جِبْرِيْلُ فَقَالَ: هٰذِهِ اللَّيْلَةُ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلّٰهِ فِيْهَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُوْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔

(بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۳۸۴، رقم: ۳۸۳۷)

”جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہا: (یا رسول اللہ ﷺ!) یہ رات، پندرھویں شعبان کی رات ہے اور اس رات اللہ تعالیٰ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد فرماتا ہے۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ کلب کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ اہلِ عرب میں ایسا قبیلہ تھا کہ جن کے پاس بکریوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس رات ان بکریوں کی تعداد کے برابر لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہوں بلکہ فرمایا کہ اِن بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کو اس رات دوزخ سے نجات عطا کی جاتی ہے۔

نگاہِ رحمت سے محروم لوگ

اس بخشش و مغفرت والی رات جس میں لاتعداد افراد پر اللہ رب العزت کی نظرِ رحمت ہوتی ہے، وہاں چند ایسے بدنصیب بھی ہوتے ہیں کہ جو اس مغفرت والی رات میں بھی محروم رہتے ہیں اور اس رات کے ملنے کے باوجود وہ اپنا نام بخشش والے لوگوں میں شمار نہیں کروا سکتے اور اس کی نگاہِ رحمت کے مستحق نہیں بنتے۔ اس رات کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی متعدد

احادیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے محروم جن لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مشرک ۲۔ قاتل ۳۔ متکبر

۴۔ اَھْلُ الْحِقْد (حسد رکھنے والے)

۵۔ مُشَاحِن (کینہ پرور) ۶۔ قَتَّاتٌ (چغل خور)

۷۔ مُصِرٌّ عَلٰی زِنًا (بدکاری پر اصرار کرنے والا)

۸۔ عَاقٌّ لِوَالِدَیْہ (والدین کا نافرمان)

۹۔ مُدْمِنُ خَمْر (عادی شرابی)

۱۰۔ قَاطِعُ الرحم (قطع رحمی کرنے والا)

شبِ برأت: حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ شعبان کی پندرھویں رات رسول اللہ ﷺ میرے ہاں قیام فرما تھے۔ جب آدھی رات کا وقت ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو موجود نہ پایا۔ میں نے آپ ﷺ کو تلاش کرنے نکلی تو آپ ﷺ کو بقیع کے قبرستان میں موجود پایا۔ جہاں آپ ﷺ تمام فوت شدگان کے لیے دعائے مغفرت فرمارہے تھے۔ پس میں واپس آگئی۔ رسول اللہ ﷺ جب واپس تشریف لائے تو میں نے ساری صورتحال آپ ﷺ کو بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ آج شعبان کی پندرھویں رات اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

یَا عَائِشَۃُ، تَأْذَنِیْنَ لِیْ فِیْ قِیَامِ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ فَقُلْتُ: نَعَمْ بِأَبِیْ وَأُمِّیْ۔ فَقَامَ فَسَجَدَ لَیْلًا طَوِیْلًا حَتّٰی ظَنَنْتُ أَنَّہٗ قُبِضَ فَقُمْتُ اَلْتَمِسُہٗ وَوَضَعْتُ یَدِیْ عَلٰی بَاطِنِ قَدَمَیْہِ فَتَحَرَّکَ فَفَرِحْتُ۔

(بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۳۸۴، رقم: ۳۸۳۷)

”اے عائشہ! کیا آج کی رات تم مجھے عبادت کرنے کی اجازت دیتی ہو؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ تو آپ ﷺ نماز ادا فرمانے لگے۔ پس اتنا طویل سجدہ ادا فرمایا کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ آپ ﷺ کا (حالتِ سجدہ میں) وصال ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں (پریشانی سے) معلوم کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور میں نے ہاتھ سے آپ ﷺ کے قدم مبارک کو چھوا تو اس میں حرکت ہوئی جس سے میں خوش ہو گئی۔“

اس حدیث مبارک سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں حقوق العباد کو کتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اتنی مقدس رات بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی ﷺ قیام اللیل اور نفلی عبادت کے لیے اپنی زوجہ محترمہ سے اخلاقی طور پر اجازت لیتے ہیں کیوں کہ اس رات اُن کے حجرہ مبارک میں قیام کی باری تھی۔ آقا علیہ السلام کا انداز دیکھئے کہ معلوم ہے کہ یہ وہ رات ہے کہ جس جیسی رات پھر سال بعد آئے گی اور اس کی عظمت کا بیان بھی خود فرمارہے ہیں مگر اخلاق کا اعلیٰ مقام دیکھئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے اخلاق کو وانک لعلی خلق عظیم کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام سجدہ میں تھے تو میں نے کان لگا کر سنا تو آقا علیہ السلام اس طویل سجدے میں اپنے رب سے عرض کررہے تھے:

أَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَأَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا أُحْصِي ثَنَآءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۳۸۳۔۳۸۵، رقم: ۳۸۳۷)

”اے اللہ میں تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں، تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ چاہتا ہوں اور تیرے کرم کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں کماحقہ تیری تعریف نہیں بیان کرسکتا تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف بیان کی ہے۔“

صبح جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم ﷺ سے ان دعاؤں کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ دعائیں خود بھی یاد کرلو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ۔ مجھے جبریل امین علیہ السلام نے (اپنے ربّ کی طرف سے) یہ کلمات سکھائے ہیں اور انہیں حالتِ سجدہ میں بار بار پڑھنے کو کہا ہے۔“

محترم قارئین! اس سے محبوب تر اور کیا الفاظ ہو سکتے ہیں جن سے آقا علیہ السلام نے اس رات میں سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے امت کو آگاہ کردیا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس رات اِن الفاظ کے ذریعے اللہ کی بارگاہ سے اس کا لطف و کرم اور مغفرت طلب کریں۔

شبِ برأت: فیصلوں کی رات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: اے عائشہ! تمھیں معلوم ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: (یارسول اللہ ﷺ!) اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِنْ مَوْلُوْدِ بَنِي آدَمَ فِي هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ، وَفِيهَا تَنْزِلُ أَرْزَاقُهُمْ۔

(بیہقی، الدعوات الکبیر، ۲: ۱۴۵)

"اس رات سال میں جتنے بھی لوگ پیدا ہونے والے ہیں، سب کے نام لکھ دیے جاتے ہیں اور جتنے لوگ فوت ہونے والے ہیں، ان سب کے نام بھی لکھ دیے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کے (سارے سال کے) اَعمال اٹھالیے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی روزی مقرر کی جاتی ہے۔"

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ دُفِعَ إِلَى مَلَكِ الْمَوْتِ صَحِيفَةٌ فَيُقَالُ: اقْبِضْ مَنْ فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَغْرِسُ الْغِرَاسَ، وَيَنْكِحُ الْأَزْوَاجَ، وَيَبْنِي الْبُنْيَانَ، وَإِنَّ اسْمَهُ قَدْ نُسِخَ فِي الْمَوْتَى۔ (ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف، ۱۴۰)

"جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملک الموت کو ایک فہرست دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا نام اس فہرست میں درج ہے، اُن کی روحوں کو قبض کرلے، کوئی بندہ تو باغوں کے درخت لگا رہا ہوتا ہے، کوئی شادی کر رہا ہوتا ہے، کوئی تعمیر میں مصروف ہوتا ہے، حالانکہ اس کا نام مردوں کی فہرست میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔"

شبِ برأت میں مغفرت و بخشش کی صدائیں

تمام فیصلے اسی رات کیے جانے کی بنا پر یہ رات تقاضا کرتی ہے کہ ہم اللہ کے حضور جھکنے والے بن جائیں۔ ہمارے لیے کیا لکھا ہے اور کیا لکھا جانا ہے۔۔۔؟ کیا عطا کیا جانا ہے اور کتنا عطا کیا جانا ہے۔۔؟ کس کی مغفرت ہونی ہے۔۔۔؟ کتنی زندگیاں اس دنیا میں آنی اور کتنی اٹھائی جانی ہیں۔۔۔؟ ان سب معاملات کا وہ مالک ہے مگر وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے صدقے اور وسیلے سے اِن امور کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے رحم و کرم اور فضل کے سبب بندۂ مومن کو یہ موقع عطا فرماتا ہے کہ وہ صدق اور خلوص کے ساتھ اُس سے جو کچھ مانگے گا، وہ اسے عطا کردے گا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادَى مُنَادٍ: هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ، فَلَا يَسْأَلُ أَحَدٌ شَيْئًا إِلَّا أُعْطِيَ۔ (بیہقی، فضائل الاوقات، رقم: ۲۵)

"جب شعبان کی پندرہویں شب آتی ہے تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں۔۔۔؟ کوئی ہے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کر دوں۔۔۔؟ پھر کوئی شخص جو چیز بھی طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے۔"

قلب و باطن میں تبدیلی کیونکر ممکن ہے؟ چند واقعات

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کی امت پر اس رات جو کرم کیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال، اپنے گناہوں اور اپنی معصیتوں پر مغفرت طلب کرتے ہوئے اللہ کے حضور جھک جائیں اور اس سے معافی مانگیں۔ یہ شبِ توبہ درحقیقت آقا علیہ السلام کا انعام ہے جو آپ ﷺ کے واسطے سے امت کو مل گیا۔ توبہ کیا ہے۔۔۔؟ اہل اللہ اور صلحاء اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کیسا تعلق رکھتے تھے۔۔۔؟ اس سلسلہ میں چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن مجید میں غور و فکر نے احوال بدل دیئے

اموی خاندان کا شہزادہ موسیٰ بن محمد سلیمان بڑا عیاش پرست اور تماش بین تھا۔ آخرت سے اتنا بے خبر اور بے فکر تھا کہ ہمہ وقت شراب، لہو و لعب اور برے اعمال میں مصروفِ عمل رہتا۔ ایک روز وہ شراب کے نشے میں دھت حسبِ معمول کنیزوں اور لونڈیوں کے درمیان گانے باجے میں مصروف تھا کہ اسے دور سے ایک درد ناک اور سوز و گداز سے معمور آواز سنائی دی۔ اس نے پوچھا: یہ آواز کس کی ہے؟ اس کا غلام اس کی کھوج میں گیا اور ایک لاغر نوجوان کو

پکڑ کر لے آیا اور کہا کہ شہزادے! جو آواز آپ نے سنی تھی، وہ اس کی آواز تھی۔ شہزادے نے پوچھا: تم کیا پڑھ رہے تھے؟ اس نے کہا: میں تو اپنے رب کا پیغام سنا رہا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اس نے اللہ کا کلام پڑھنا شروع کر دیا:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ. عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ۔ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ. يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ. خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ۔ (المطففين، ۸۳: ۲۲۔۲۶)

”بے شک نیکوکار (راحت و مسرت سے) نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ آپ ان کے چہروں سے ہی نعمت و راحت کی رونق اور شگفتگی معلوم کر لیں گے۔ انہیں سر بہ مہر بڑی لذیذ شرابِ طہور پلائی جائے گی۔ اس کی مہر کستوری کی ہوگی، اور (یہی وہ شراب ہے) جس کے حصول میں شائقین کو جلد کوشش کر کے سبقت لینی چاہیے (کوئی شرابِ نعمت کا طالب و شائق ہے، کوئی شرابِ قربت کا اور کوئی شرابِ دیدار کا، ہر کسی کو اس کے شوق کے مطابق پلائی جائے گی)۔“

جب یہ کلماتِ الٰہیہ شہزادے کے کانوں سے ٹکرائے تو وہ تڑپ گیا۔ اس نے کہا کہ میرے رب کا پیغام دوبارہ سناؤ۔ اپنے رب کا نغمہ لاہوتی سن کر وہ مچھلی کی مانند تڑپنے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آتے ہی اپنی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، اپنا محل چھوڑ دیا اور ٹاٹ کا لباس پہن کر اس نوجوان کے قرب میں آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اب میں اپنا محل چھوڑ کر تیرا ہو گیا ہوں۔ اب تو مجھے میرے رب کا پیغام سناتا رہ۔

کچھ عرصہ وہ شہزادہ اس نوجوان کی قربتوں میں رہا اور اللہ رب لعزت کے کلام کو اس کی زبان سے سن کر اس میں خوب غور و فکر کرتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نوجوان نے شہزادے کو اپنے ہمراہ لیا اور مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں جاکر دونوں نے حج ادا کیا۔ دورانِ طواف اس شہزادے کی یہ آواز گونج رہی تھی جسے سب لوگ سن رہے تھے:

اے مالک! تجھے پتہ ہے کہ میں تو بڑا بے خبر تھا اور بے خبری میں گناہ کا مرتکب ہوتا رہا۔۔۔ میرا حال بہت برا ہے۔۔۔ مگر میرے مالک! تجھے معلوم ہے کہ میں تیرا غلام ہوں۔۔۔ مجھے بتا! اگر تو ہی مجھے چھوڑ دے تو کون مجھے اپنی بارگاہ میں بلائے گا۔۔۔؟ اے مالک! غلام برا ہو یا اچھا ہو، آخر کار اس نے مالک کے پاس ہی لوٹنا ہوتا ہے۔۔۔ میں گنہگار ہی سہی مگر لوٹ کر تیرے حضور ہی آیا ہوں۔۔۔ تیرے علاوہ میرا کون ہے۔۔۔؟ یہ کہہ کر وہ چیختا رہا، تڑپتا رہا اور اسی حال میں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور وہ خدا کے حضور پیش ہو گیا۔

(۲) حقیقی ندامت و شرمندگی نے مستحق جنت بنا دیا

ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کسی بازار سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے شراب کے نشے میں مست ایک نوجوان گزر رہا تھا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو آپ کی بزرگی اور عظمت کے سبب آپ سے اوجھل ہونے کی کوشش کی کہ ان بزرگوں کے سامنے اس حالت میں آگیا تو مناسب نہیں۔ اس نے ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر اسے کہیں راستہ نہ ملا، آخر کار اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دل میں دعا کی کہ اللہ مجھے ان کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لے، آئندہ میں ایسا نہ کروں گا۔ یہ دعا کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی دست بوسی کرنے لگا اور آپ کے قدمین میں گر گیا اور سلام پیش کیا۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے دیکھا تو آپ نے شفقت فرمائی اور روانہ ہو گئے۔

وہ کہنے لگا: اللہ تیرا شکر ہے کہ ابراہیم بن ادھمؒ کو معلوم نہیں ہوا کہ میں نے شراب پی ہوئی ہے اور ان کے سامنے شرمندگی سے بچ گیا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو تو معلوم ہو گیا تھا مگر آپ شفقت کرنے والے تھے، اس لیے نظر انداز کر گئے۔ رات کو وہ نوجوان خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ جنت میں ہے۔ وہ تڑپ گیا اور کہا کہ یہ کیا ہو گیا؟ میرے اعمال تو اس قابل نہیں کہ میں جنت میں چلوں۔ غیب سے آواز آئی کہ میرے ایک نیک بندے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا ادب کرنے اور ان کے سامنے خلوص کے ساتھ شرمسار ہونے سے قبل تو ایسے ہی تھا کہ دوزخ تیرا ٹھکانہ تھا مگر جس لمحے تو نے میرے ابراہیم کے ہاتھوں کو چوما ہے، قدموں میں گرا ہے اور جس اخلاص کے ساتھ شرمندہ ہوا ہے، یہ تیری شرمندگی والا اخلاص تھا جس کی بنا پر تجھے بچا لیا گیا ہے، اب تیرے حصے میں جنت لکھ دی گئی ہے۔

(۳) خشیتِ الٰہی میں ایک ولی کامل کا حال

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان اپنا دن بڑی عاجزی کے ساتھ گزارتا اور جب رات آتی تو خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا جاتا اور رسی کو چھت سے باندھ کر اپنے گلے میں ڈال لیتا اور اپنے مولا کے حضور التجا کرتا: مولا! تیرا مجرم تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔۔۔ جو سلوک کرنا ہے، اس دنیا میں کرلے، آخرت میں نہ کرنا۔۔۔ اسی طرح وہ ساری رات گریہ وزاری کرتا۔ ساری زندگی اسی معمول میں رہا۔

ایک روز وہ نوجوان اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے تین چیزوں پر آپ کا وعدہ چاہیے۔ والدہ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے تو وہ کہنے لگا کہ ساری زندگی میں اپنے مولا کی نافرمانی کرتا رہا اور اس کا حق ادا نہ کرسکا۔ یہ وعدہ کریں کہ جب میری موت آئے تو آپ یہ تین کام کریں گی۔ جب ماں نے حامی بھرلی تو کہنے لگا:

۱۔ پہلا کام یہ ہے کہ جب میری موت واقع ہوجائے تو میری میت کو رسی سے باندھ کر اپنے گھر کے چاروں کونوں میں گھسیٹنا اور یہ کہتے رہنا کہ جو خدا کا نافرمان ہو، اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا کام یہ کرنا کہ رات کے اندھیرے میں میرا جنازہ لے کر جانا کہ کوئی شخص مجھے دیکھ کر یہ نہ کہہ دے کہ خدا کے نافرمانوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا کام یہ کہ جب میری تدفین کردی جائے اور لوگ مڑ کر واپس چلے جائیں تو میری ماں آپ میری قبر پر کھڑی رہنا تاکہ جب فرشتے مجھے سزا دینے کے لیے آئیں تو آپ کے قدموں کے طفیل شاید میری بخشش ہوجائے۔

یہ وعدہ لینے کی دیر تھی کہ اس نوجوان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اب ماں حسبِ وعدہ اس کی لاش کو گھسیٹنے لگی تو غیب سے آواز آئی کہ اے خاتون! اس نوجوان کو چھوڑ دو، تمہیں کیا معلوم کہ یہ خدا کا کتنا محبوب بندہ تھا۔ جس کی ساری زندگی اپنے مولا کے ساتھ دوستی نبھانے میں گزر گئی ہو تو کیا اس کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے۔ ماں تڑپ گئی اور اسے پتہ چل گیا کہ میرے بیٹے کا کیا مقام تھا۔

☆ قارئین کرام! یہ وہ توبہ تھی، جو توبہ کرنے والے ہمیں سکھا گئے۔ لمحہ فکریہ ہے کہ آج ہم حقیقی معنی میں اس کی بارگاہ میں ایسی توبہ نہیں کرتے۔ کسی کے بیس سال گزر گئے، کسی کے چالیس سال گزر گئے، کسی کے ساٹھ، کسی کے ستر، مگر کسی کو اپنے باطنی احوال کی کچھ خبر نہیں۔ شبِ برأت ہر سال آتی ہے، اللہ رب العزت اس رات آسمان دنیا پر آکر پکارتا ہے کہ مغفرت مانگ لو، توبہ کرلو مگر ہم ہیں کہ کاہلی و سستی کا شکار ہیں۔ شب توبہ کے موقع پر اس عہد کو دہرانا ہوگا اور اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو توبہ کے راستے پر لانا ہوگا۔

آج اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولادوں کی تربیت اس نہج پر ہو، ان کے دلوں کے اندر تعلق باللہ، تعلق بالرسالت اور حضور ﷺ کی محبت جاگزیں ہوجائے تو اس کے لیے ہمیں اپنا کردار بدلنا ضروری ہے۔ جب ہماری اولاد ہماری آنکھوں سے آنسو برستے ہوئے دیکھے گی تو کل ان کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل رہے ہوں گے۔۔۔ آج وہ ہمیں خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے اور تڑپتے ہوئے دیکھیں گے تو کل وہ بھی تڑپتے ہوئے نظر آئیں گے۔۔۔ اگر ہم مصلے پر خدا کو مناتے ہوئے نظر آئیں گے تو وہ بھی اگلے دن مصلے پر نظر آئیں گے۔۔۔ اگر آج مصطفوی مشن سے محبت کرتے ہوئے وہ ہمیں دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت میں مصروفِ عمل دیکھیں گے تو کل وہ بھی دین سے محبت کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔۔۔ آج وہ ہمیں اپنے آقا و مولا پر درود و سلام پڑھتا ہوا دیکھیں گے تو کل وہ بھی یانبی سلام علیک کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔

۴۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی توبہ اور ملائکہ کا نزول

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ آقا علیہ السلام کے ایک صحابی تھے۔ ایک روز آپ رضی اللہ عنہ ایک گلی سے گزر رہے تھے تو اس گلی میں کسی کے گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ اس کھلے ہوئے دروازے سے آپ کی نظر اس گھر میں موجود کسی حرام شے پر پڑ گئی۔ اس نظر کو انھوں نے اپنی آنکھوں کا گناہ تصور کیا کہ ان کی آنکھوں سے گناہ سرزد ہوگیا۔ گناہ کے سرزد ہونے کے تصور سے وہ پریشان ہوگئے اور شرمندگی محسوس ہوئی۔ گھر پہنچے تو سکت نہ رہی اور زمین پر گر گئے اور خود

سے کہنے لگے: اے ثعلبہ جن نگاہوں سے تم چہرہ والضحیٰ دیکھا کرتے تھے، آج ان آنکھوں سے حرام دیکھ لیا۔ یہ سوچ کر ان پر اس قدر رقت طاری ہوگئی کہ وہ آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں جانے سے کترانے لگے کہ اے ثعلبہ! کس وجود سے حضور ﷺ کے پاس جاؤ گے۔۔۔؟ کن نگاہوں سے حضور ﷺ کو دیکھو گے۔۔۔؟ ان پر یہ کیفیت اتنی بھاری ہوگئی کہ انھوں نے شہر مدینہ چھوڑ دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اب وہ حضور ﷺ کے شہر مدینہ میں رہنے کے قابل نہیں رہے۔

شہر مدینہ سے دور پہاڑوں کے درمیان کسی غار میں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ چھپ گئے اور اسی حالت میں دس دن گزر گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہاں ہے، کئی دنوں سے نظر نہیں آیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں معلوم نہیں کہ ثعلبہ کہاں ہے؟ اتنے میں اللہ رب العزت نے جبریل امین علیہ السلام کو بھیج دیا کہ جاؤ میرے محبوب کو بتاؤ کہ ثعلبہ کہاں ہے؟ جبریل امین علیہ السلام نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کا ثعلبہ پہاڑوں کے درمیان کسی غار میں چھپا بیٹھا ہے۔ آقا علیہ السلام نے اسی وقت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا: جاؤ اور میرے ثعلبہ کو لے آؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہاڑوں کے درمیان حضرت ثعلبہؓ کو ڈھونڈتے رہے اور آوازیں دیتے رہے مگر ثعلبہ نہ ملے۔ جب واپس لوٹ رہے تھے تو ایک چرواہا ملا، اس سے پوچھا کہ تم نے ثعلبہ کو دیکھا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ حضرت! مجھے یہ تو نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ جب رات ڈھلتی ہے تو دو پہاڑوں کے درمیان ایک غار میں سے ایک سوز و گداز اور آہ و بکا والی آواز پوری وادی میں گونج جاتی ہے اور کوئی تڑپ تڑپ کر رو رہا ہوتا ہے۔ اس آواز میں اتنا سوز و گداز ہے کہ میری بکریاں بھی رونے لگ جاتی ہیں اور کھانا پینا چھوڑ دیتی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہی حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ ملک الموت آگئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ملک الموت مجھے مہلت دے دے، ابھی میرے مصطفی ﷺ میری توبہ تو قبول کروالیں، پھر تیرے ساتھ چلا جاؤں گا۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ثعلبہ میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں اور آپ کو لینے آیا ہوں۔ پوچھا: کیوں آئے ہو؟ کس نے بھیجا ہے؟ فرمایا: حضور ﷺ نے بھیجا ہے۔ آپ تڑپ اٹھے اور پوچھا کہ کیا حضور ﷺ کو پتہ چل گیا ہے کہ مجھ سے جرم کا ارتکاب ہوگیا ہے؟ فرمایا: مجھے زیادہ معلوم نہیں، بس حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جاؤ، میرے ثعلبہ کو لے آؤ۔ کہا کہ اگر حضور ﷺ کا حکم ہے تو ضرور جاؤں گا مگر حضور ﷺ کا سامنا نہیں کرسکتا۔ آپ ایک وعدہ کریں کہ مجھے اس وقت حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے جانا کہ حضور نبی اکرم ﷺ مجھے آتا ہوا نہ دیکھیں بلکہ جب آپ ﷺ نماز میں مصروف ہوں تو میں حاضر ہو جاؤں۔ انھوں نے وعدہ کرلیا اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے آئے۔

جب مسجد نبوی میں نماز شروع ہوگئی، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو مسجد میں داخل کردیا۔ جب آقا علیہ السلام نے سلام پھیرا تو پوچھا: اے عمر! ثعلبہ کدھر ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا: حضور یہ ہے۔ ثعلبہ نے چیخ ماری اور آپ ﷺ کے قدمین شریفین پر گر گئے۔ آقا علیہ السلام نے پیار بھرے ہاتھوں سے اٹھایا اور فرمایا کہ اے میرے ثعلبہ تو نے یہ کیا کیا کہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ اگر تجھ سے گناہ ہوگیا تھا تو پھر میں تیرے پاس تھا تو مجھے کہتا، میں ہاتھ اٹھاتا اور تیری مغفرت مانگتا اور خدا تجھے معاف کردیتا۔ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیئے اور فرمایا: اے میرے مولا! میرے ثعلبہ سے جو بھی گناہ سرزد ہوا ہے تو اسے معاف فرمادے۔ یہ کہنے کی دیر تھی حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور بے ہوش ہوگئے۔ دو دن نہیں گزرے تھے کہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

حضور ﷺ نے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی تدفین اور تجہیز و تکفین کے انتظامات کا حکم دیا۔ جب حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو لحد میں

اتارنے کا وقت آیا تو اس وقت آقا ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ لحد میں اترے اور اپنی گود مبارک میں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا سر لے لیا اور دستِ اقدس اٹھالیے اور فرمایا: اے مولا! یہ تیرا ثعلبہ اس حال میں اس دنیا سے جارہا ہے کہ تیرا رسول اس سے راضی ہے۔

جب حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم انھیں رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ اے ثعلبہؓ قربان جائیں آپ کی قسمت پر کہ اتنا کرم ہوگیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ آقا ﷺ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد قدمین شریفین کے پنجوں کے بل چل رہے ہیں۔ ہم پریشان ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ قدم مبارک زمین پر نہیں رکھ رہے، کیاماجرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیسے رکھوں، جیسے ہی میرے ثعلبہ کی توبہ قبول ہوئی ہے، پوری کائنات کے فرشتے خدا نے زمین پر بھیج دیئے ہیں۔ ہر جگہ فرشتے اس قدر کثرت سے ہیں کہ مجھے اتنی جگہ نہیں ملتی کہ میں پورا قدم رکھ سکوں۔

قارئین گرامی قدر! توبہ ہو تو حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ جیسی ہو۔ آج بھی وقت ہے کہ عبادات وطاعات کے ساتھ دوستی کرلیں۔ ہم اس سے مانگنے والے بن جائیں اور اس کو منانے والے بن جائیں۔ اللہ رب العزت آسمان دنیا پر اپنی شان کے لائق جلوہ افروز ہوکر مغفرت و بخشش اور عطاو کرم کی صدائیں دے رہا ہے مگر ہم اتنے کاہل، سست اور غافل ہوگئے ہیں کہ وہ رحمت انتظار کررہی ہے مگر ہم دروازہ کھولنے کو تیار نہیں۔ ۱۵ شعبان المعظم کی رات عہد کرلیں کہ مولا جو وقت غفلت میں گزر گیا وہ معاف کردے اور ہماری زندگیاں بدل دے۔۔۔ آج سے ہمیں اپنا طلبگار بنادے۔۔۔ ہمیں عفوودر گزر والا بنادے۔۔۔ اگر ہمارے دلوں میں کدورت، لالچ، حسد اور رذائل ہیں تو دلوں سے نکال دے اور ہمیں معاف فرمادے۔۔۔ کبھی والدین کی گستاخی ہوگئی تو معاف فرمادے۔۔۔ مولا جن پر تیری رحمت نہیں ہوتی، ہمیں ان طبقات سے نکال کر ان طبقات میں شامل کردے جن پر تیری نگاہ ہوتی ہے۔۔۔ اور شبِ برأت کو ہمارے لیے بخشش ومغفرت کا وسیلہ بنادے۔

❀❀❀❀❀

تجدید واحیائے دین، دعوت وتبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج واقامت اسلام
کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب
اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
0300-8886334 Whatsapp: 03008105740
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

احکامِ صوم میں ملنے والی رخصتوں کے مظاہر

سفر، بیماری، حمل و رضاعت، حیض و نفاس، ضعف و بڑھاپا، خوفِ ہلاکت جہاد، بے ہوشی پر روزہ نہ رکھنے کی مشروط چھوٹ دی گئی ہے

ڈاکٹر شبیر احمد جامی

روزہ اسلام کا ایک بنیادی اور اہم رکن ہے جو بے شمار حکمتوں اور لازوال رفعتوں سے لبریز ہے۔ روزے کو جملہ عبادات میں یہ امتیازی فضیلت حاصل ہے کہ اس کے بارے میں اللہ رب العزت نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اس کا اجر خود عطا فرمائے گا۔ روزہ ہر عاقل، بالغ، صحت مند، باہوش اور مقیم مسلمان مرد و عورت پر بتقاضائے ادائیگی فرض ہے۔ جس کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے جس نے اپنے سارے احکام میں بندوں کی سہولت اور آسانی کا پورا لحاظ رکھا ہے اور کسی معاملے میں انہیں بے جا مشقت اور تنگی میں مبتلا نہیں کیا۔ چنانچہ روزے کی فرضیت کے ساتھ ساتھ شریعت نے انسانوں کی معذوری اور مجبوری کا لحاظ رکھتے ہوئے روزے کے مسائل میں کئی مقامات پر مختلف صورتوں میں رخصت سے نوازا ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں ان تمام صورتوں کا مختصر جائزہ لیا جائے گا تاکہ یہ بات واضح ہو کہ شرعی احکام میں جبر ہے یا اس میں رخصت کے بھی کچھ پہلو موجود ہیں؟

پہلا مظہر: روزہ چھوڑنے کی رخصتیں

شریعت میں بندوں پر احکامات کو جبراً مسلط نہیں کیا جاتا بلکہ حسبِ قدرت شارع کریم اللہ رب العزت نے ہر فرد کے لیے احکام کی نوعیت کے تحت جداگانہ پیمانہ قائم کیا ہے۔ بعض اوقات بندے پر ایسی کیفیت وارد ہوتی ہے کہ وہ روزے جیسی پُر مشقت عبادت کے حکم کی بجاآوری کا متحمل نہیں ہوتا تو اللہ رب العزت نے ایسی حالت میں بندوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے۔ جن اسباب کی بنا پر بندوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ سفر:

سفر میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہو یا مشقت برداشت کرنی پڑے ہر حال میں مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۸۵)

”پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے۔“

اس آیت مقدسہ میں سفر کا صریح لفظ موجود ہے کہ اگر کوئی مسافر ہو تو اس پر روزہ فرض نہیں۔ حضرت کعب بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس من البر الصیام فی السفر۔ (النسائی، السنن، رقم: ۲۲۵۵)

”سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔“

لیکن اگر سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو اس کے حوالے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور

سے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"اگر مسافر روزے سے تکلیف محسوس نہ کرے تو اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تو بھی جائز ہے کیونکہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا۔" (مرغینانی، الهدایہ شرح بدایۃ المبتدی، ج:۱، ص:۱۲۶)

سفر خواہ کسی بھی غرض اور ارادے سے ہو، باعثِ رخصت ہے۔ (کاسانی، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۲۹۰)

اپنی غرض وغایت اور مقصد میں تو سفر نصِ قرآنی کے تحت مطلق ہے لیکن مسافت کا اعتبار عرفِ شرعی کے تحت ہوگا۔ اس میں چند قدموں یا کلو میٹرز کا حساب نہیں ہوگا بلکہ شرعی طور پر جو فاصلہ متعین ہے صرف اسی کے مطابق مسافر کو رخصت ملے گی۔

۲۔ بیماری:

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے جو کوئی بیمار ہو اس پر روزہ فرض نہیں لیکن اس کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیت (البقرہ: ۱۸۵) میں مریض کو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مریض کو روزہ رکھنے میں ہلاکت کا یا مرض کی زیادتی کا خوف ہو یا مرض کے طول پکڑنے کا خوف ہو، غرض یہ کہ غیر معمولی تکلیف کا اندیشہ ہو تو چاہیے کہ روزہ نہ رکھے۔ بعد میں صحت یاب ہونے پر قضا روزے رکھ لے گا۔

۳۔ حمل اور رضاعت:

احادیث مبارکہ میں اس بات کی صریح رخصت ہے کہ وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ اس کے روزہ رکھنے سے جنین کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے تو ایسی عورت کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ لیکن وہ بھی بعد میں ان روزوں کی جگہ روزے رکھے۔

اسی طرح وہ عورت جس کی گود میں دودھ پیتا بچہ ہو اور وہ بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہو، اسے روزہ رکھنے پر اپنا یا دودھ کے خشک ہو جانے کے باعث بچے کا خوف ہو تو اس کو بھی روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح جس عورت نے اجرت پر دودھ پلانا طے کیا، اس کے لیے بھی خوف کی صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، بعد میں روزے کی قضا کرے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رخص رسول اللہ ﷺ للحبلی التی تخاف علی نفسها ان تفطر وللمرضع التی تخاف علی ولدها۔

(ابن ماجہ، السنن، ج:۱، ص:۵۳۳، رقم:۱۶۶۷)

"حضور ﷺ نے ایسی حاملہ عورت کو جسے (روزہ رکھنے کی صورت میں) جان تلف ہونے کا اندیشہ ہو اور ایسی دودھ پلانے والی عورت کہ جسے (روزہ رکھنے کی صورت میں) اپنے بچے کی (جان) کا خوف ہو (شرعی عذر کی بنا پر رمضان المبارک کا) روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے۔"

۴۔ حیض اور نفاس:

حیض اور نفاس بھی عورت کے حق میں روزے کے باب میں اعذارِ شریعہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔ ان کے باعث عورت کو روزہ قضا کرنے کی رخصت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا: اس کا کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت روزہ تو قضا کرتی ہے، نماز قضا نہیں کرتی؟

فقالت احروریة انت؟ قلت لست بحروریة ولکنی اسال قالت کان یصیبنا ذلک فنومر بقضا الصوم ولا نومر بقضا الصلاۃ۔ (مسلم، الصحیح، ج:۱، ص:۲۶۵، رقم:۳۳۵)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سائلہ سے) پوچھا: کیا تو حروریہ ہے؟ میں نے عرض کیا: میں حروریہ نہیں ہوں، محض جاننا چاہتی ہوں۔ (جواباً) حضرت عائشہ نے فرمایا: حیض کے ایام میں ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔"

فقہاء نے یہاں تکرار کو رخصت کا سبب قرار دیا ہے جو مشقت کا سبب ہے یعنی روزے تو سال میں صرف ایک بار آتے ہیں جبکہ نماز روزانہ پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے تو لازماً نماز کی قضا میں حرج ہے جسے شریعت نے رفع کر دیا ہے، لہٰذا حائضہ اور نفاس والی عورت صرف روزے کی قضا کرے گی۔

۵۔ ضعف اور بڑھاپا:

ایسا عمر رسیدہ، ناتواں شخص جو سال بھر میں کسی وقت بھی اپنے ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو، روزہ

چھوڑ سکتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ ہر دن کے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلائے۔ امام جلال الدین ''الاشباہ'' میں فرماتے ہیں:

والفطر فی رمضان وترك الصوم للشیخ الهرم مع الفدیة والانتقال من الصوم الی الاطعام فی الکفارة۔

(سیوطی، الاشباہ والنظائر، ج: ۱، ص: ۷۷)

''اور انتہائی بوڑھے شخص کے لیے رمضان میں فدیہ کے عوض روزے کو توڑنے اور چھوڑنے (کے ساتھ) روزے کا کھانا کھلانے کی طرف (بطور فدیہ) منتقل ہو جانا (بھی شرعی رخصت ہے)۔''

۶۔ خوفِ ہلاکت:

اگر کسی بندے کو محنت و مشقت کی وجہ سے جان ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو یا اسے کوئی ظالم مجبور کر رہا ہو کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو جان سے مار دوں گا، یا بری طرح پیٹوں گا یا تیرا کوئی عضو کاٹ دوں گا تو ایسے شخص کے لیے بھی اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ اسی طرح اگر کوئی روزہ دار اتفاقاً ایسا بیمار ہو جائے کہ روزہ پورا کرنے کی صورت میں اس کی ہلاکت یا مرض کی شدت پکڑنے کا خوف ہو تو روزہ کھول سکتا ہے۔ اس طرح اگر کسی کو سانپ کاٹے اور دوائی پینے کی ضرورت ہو تو بھی روزہ کھول سکتا ہے، بعد ازاں اس کی پھر قضا ادا کرے گا۔''

۷۔ جہاد:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی روزے کی رخصتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دشمنانِ دین سے جہاد کی نیت ہو اور یہ خیال ہو کہ روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے گی تو ایسے شخص کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ بالفعل جہاد نہیں ہو رہا لیکن جلد ہی تصادم کا اندیشہ ہے تب بھی اجازت ہے۔ اور اگر روزہ رکھ لیا ہو اور ایسا موقع پیش آجائے تو روزہ توڑ دینے کی بھی اجازت ہے۔ روزہ توڑ دینے سے کفارہ لازم نہ آئے گا۔''

(زحیلی، وھبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۳، ص: ۱۰۴)

۸۔ بے ہوشی:

ایسا شخص جس پر بے ہوشی طاری ہو جائے اس کے لیے حکم ہے کہ وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے، بعد میں اس کی قضا کرے گا۔ ہدایہ میں ہے:

ومن اغمی علیه فی رمضان کله قضاه لانه نوع مرض۔ ومن جن فی رمضان کله لم یقضه، ولنا ان المسقط هو الحرج، والاغماء لا یستوعب الشهر عادة فلا حرج۔

(مرغینانی، الہدایہ، ج: ۱، ص: ۱۲۸)

''اور جس پر پورا رمضان بے ہوشی طاری رہی، وہ ان روزوں کی قضا کرے گا کیونکہ بے ہوشی بیماری کی ایک قسم ہے اور جس شخص پر پورا رمضان جنون طاری رہا تو وہ اس مہینے کے روزوں کی قضا نہیں کرے گا (گویا جنون کے اس مریض پر روزے فرض ہی نہیں ہوئے اور) ہمارے ہاں اس حکم کا سبب حرج ہے۔ اور بے ہوشی عادتاً مہینہ بھر کو شامل نہیں ہوتی، اس میں اس درجہ کا حرج نہیں (لہذا اس کا یہ حکم نہیں)۔''

مذکورہ بالا اعذارِ شرعیہ میں سے ضروری نہیں کہ سارے عذر موجود ہوں تو رخصت ہے یا دو سے تین کا عدد ہو تو رخصت ملتی ہے بلکہ ان میں سے تنہا کسی ایک عذر کا وجود بھی روزہ چھوڑنے کی رخصت کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ روزوں میں ملنے والی رخصتوں کے مظاہر کی پہلی صورت تھی۔

دوسرا مظہر: روزہ توڑنے کی رخصتیں

کسی بھی عاقل و بالغ شخص کے لیے روزہ رکھنے کے بعد اسے توڑنا جائز نہیں لیکن بعض اوقات ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے روزے کو نبھانا ممکن نہیں رہتا۔ تو اس صورت میں شریعت نے اس کو روزہ توڑنے کی رخصت دی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اگر شرعی عذر کے باعث روزہ توڑا تو وہ گناہ گار بھی نہیں ہوگا۔ (کاسانی، بدائع الصنائع، ج: ۲، ص: ۲۸۸)

یہ احکامِ صوم میں ملنے والی رخصتوں کے مظاہر کی دوسری صورت ہے اور جن شرعی اعذار کے باعث روزہ توڑنے کی رخصت ہے، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ا۔ رضاعت:

''کسی خاتون نے عین رمضان کے دن ہی دودھ پلانے کی ملازمت شروع کی، اس دن اگر وہ روزہ کی نیت بھی کر چکی ہو تب بھی اس کے لیے روزہ توڑنا درست ہے۔ روزہ توڑنے سے اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا بلکہ صرف روزہ کی قضا ضروری ہوگی۔''

(ایضاً، ص: ۱۶۲)

۲۔ بھوک و پیاس کی شدت:

اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے اس قدر بے تاب ہو کہ موت کا خطرہ لاحق ہو جائے یا عقل میں فتور آجانے کا اندیشہ ہو تو ایسا شخص مذکورہ صورت میں روزہ توڑ سکتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”اگر روزہ دار کو اتفاقاً سخت پیاس لگ جائے یا بھوک اور روزہ پورا کرنے کی صورت میں ہلاکت کا خوف ہو تو چاہیے کہ روزہ کھول دے پھر قضا ادا کرے گا۔ اور اگر قصداً اس طرح عمل کرے کہ روزہ توڑنے کی نوبت آئے تو وہ گناہگار ہے۔ اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس صورت میں روزے کی قضا اور اس کا کفارہ دونوں لازم ہیں۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ صرف قضا کی ادائیگی لازم آتی ہے۔“ (زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۳، ص: ۱۰۴)

۳۔ بیماری:

”اگر روزہ کی وجہ سے ہلاکت کا ظنِ غالب ہو یا کسی شدید نقصان کا، مثلاً: کسی حواس کے مختل ہونے کا تو روزہ توڑنا واجب ہے۔“ (وہبہ زحیلی، ۳: ۱۰۴)

۴۔ سفر:

”اگر کسی نے سفر کے دوران صبح کو روزہ رکھا پھر عمداً توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ سببِ افطار یعنی سفر صورتاً موجود ہے، لہذا اس سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور کفارہ شبہ کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا۔“ (کاسانی، بدائع الصنائع، ج: ۲، ص: ۳۰۳)

۵۔ جہاد:

”احناف کے ہاں ایسا سپاہی جسے لڑائی میں کمزوری کا اندیشہ ہو اور مسافر نہ ہو تب بھی (لڑائی میں اور) لڑائی سے پہلے روزہ توڑ سکتا ہے۔“ (زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۳، ص: ۱۰۴)

۶۔ اکراہ:

”اگر زبردستی کسی کا روزہ تڑوا دیا جائے تو اس کو گناہ نہیں ہو گا۔ جمہور کے نزدیک صرف قضا کرے گا۔“ (ایضاً)

مذکورہ بالا اعذار میں سے کسی ایک عذر کے وارد ہونے سے روزہ توڑنے کی رخصت حاصل ہو جاتی ہے اور ایسے شخص پر کفارہ لازم نہیں ہو گا، صرف قضا لازم ہو گی۔

تیسرا مظہر: ممنوعات کے ارتکاب کے باوجود روزے میں عدمِ نقص

روزے کے مسائل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات ایسی رخصتوں کے مظاہر بھی نظر آتے ہیں کہ انسان روزے کی تین حدود میں سے کسی ایک کو تجاوز بھی کرتا ہے لیکن شریعت انسانی فطرت اور طاقت کا لحاظ کرتے ہوئے روزہ کے برقرار رہنے کا حکم دیتی ہے۔ یہ احکامِ صوم میں رخصتوں کے مظاہر کی تیسری قسم ہے جس کی صورتیں درج ذیل ہیں:

ا۔ بھول کر کچھ کھانے یا پینے سے:

اگر کسی روزہ دار نے بھولے سے کچھ کھا لیا یا پی لیا تو شریعت نے اس کو رخصت دی ہے کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی:

انی اکلت وشربت ناسیا وانا صائم فقال اطعمک اللہ وسقاك۔ (ابوداؤد السنن، ج: ۲، ص: ۳۱۵)

”یارسول اللہ ﷺ میں نے روزے کی حالت میں بھولے سے کھانا کھالیا ہے اور پانی پی لیا ہے (میرے لیے کیا حکم ہے؟)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تجھے خدا نے کھلایا ہے اور پلایا ہے (یعنی تیرا روزہ نہیں ٹوٹا)۔“

فقہاء اس حدیث سے درج ذیل استدلال کرتے ہیں:

لم یواخذ المسلم علی الاکل والشرب ناسیا فی نہار رمضان بل تسامح فی ذلك وجعلہ یکمل صیامہ ویتمہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ۔ (یعقوب عبدالوہاب، رفع الحرج فی الشریعہ الاسلامیہ، ص: ۲۲)

”رمضان کے دن مسلمان پر بھول کر کھا لینے اور پینے پر کچھ مواخذہ نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ نرمی کا پہلو برتتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: کہ وہ روزے کو مکمل کرے اور اس کو اللہ ہی نے کھلایا اور پلایا ہے۔“

حالتِ نسیان میں کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اکثر و بیشتر روزہ بھول جاتا ہے اور ہمہ وقت روزہ یاد

رکھنے کی کوشش میں تنگی ہے۔ لہذا تنگی کو ختم کرنے کے لیے نسیان کو قابل معافی عذر سمجھا جائے گا۔

(کاسانی، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۲۷۸)

۲۔ قے، حجامہ اور احتلام:

اگرچہ احتلام اور جماع میں صرف معنوی فرق ہے، اس کے علاوہ دونوں کی صورت شہوت پر مبنی ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے لیکن شارع کریم ﷺ نے اسے مفسدِ صوم قرار نہیں دیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ثلاث لا یفطرن الصائم القیء والحجامة والاحتلام۔

(بیہقی، السنن الکبریٰ، ج:۴، ص:۳۷۲)

”تین چیزیں روزہ نہیں توڑتیں: قے، حجامہ اور احتلام“۔

صاحب ہدایہ اس کا یہ سبب بیان کرتے ہیں:

لانه لم توجد صورة الجماع۔ (مرغینانی، الہدایہ، ج:۱، ص:۱۲۲)

”اس لیے کہ احتلام میں جماع کی صورت موجود نہیں۔“

امام کاسانی اس کی مزید وجہ بیان کرتے ہیں:

”غیر اختیاری امور (قے، احتلام) میں اس کا کوئی ارادہ اور دخل نہیں ہے اور انسان سے اس کام کا مواخذہ نہیں ہوگا جس میں اس کا دخل نہ ہو۔“ (کاسانی، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۲۸۴)

۳۔ حلق میں مکھی کا چلے جانا:

مکھی ہمہ وقت اڑتی اور منہ وغیرہ پر بیٹھتی ہے، لہذا اس سے بچنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا حلق سے نیچے اترنا عفو ہوگا۔ اور جس طرح غبار اور دھویں سے بچاؤ ناممکن ہے اسی طرح مکھی سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ولو دخل حلقه ذباب هو ذاكر لصومه لم يفطر۔

(مرغینانی، الہدایہ، ج:۱، ص:۱۲۳)

”اگر روزہ دار کے حلق میں مکھی چلی گئی اور اسے اس کا روزہ یاد تھا تو وہ مفطر نہیں ہوگا۔“

اگرچہ قیاس کا تقاضا ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے کیونکہ اگر کوئی شخص مٹی یا کسی ایسی چیز کو نگل لے جس سے غذا مقصود نہیں ہوتی تو قضا واجب ہے، لیکن شارع کریم نے مشقت اور عدمِ اختیار کے باعث اس میں رخصت دی ہے۔

۴۔ ماں کا بچے کے لیے کھانا چبانا:

عورت کا بچے کے لیے کھانا چبانا مکروہ ہے جبکہ وہ خود چبا سکتا ہو اور اگر:

ولا باس اذا لم تجد منه بدا صيانة للولد الا ترى ان لها ان تفطر اذا خافت على ولدها۔ (ایضاً، ص:۱۲۵)

”عورت کو اس عمل کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو وہ بچے کی حفاظت کے لیے کھانا چبا کر اسے دے سکتی ہے۔ (دلیل یہ ہے) کیا معلوم نہیں کہ جب عورت کو بچے کی جان کا خطرہ ہو تو وہ روزہ بھی توڑ سکتی ہے۔“

۵۔ کھانے کے بعد منہ میں موجود تری وغیرہ کو نگلنا:

علامہ کاسانی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”تری جو کھانے کے بعد منہ میں رہ جاتی ہے اگر تھوک کے ساتھ نگل لی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔“ (کاسانی، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۲۷۹)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ بھی احناف کے ہاں کچھ صورتیں بیان کی ہیں کہ جن میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہ صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ آنکھ میں قطرہ یا سرمہ ڈالنا
۲۔ مسواک کرنا
۳۔ ناک میں پانی ڈالنا
۴۔ نہانا
۵۔ دھواں یا غبار کا اندر چلے جانا
۶۔ ناک کی سینڈھ نگلنا یا جان بوجھ کر بلغم نگل جانا
۷۔ دانتوں میں بچے ہوئے کھانے کے ذرات کو جو چنے سے کم ہوں، نگل جانا
۸۔ جنابت کی حالت میں روزہ رکھنا
۹۔ پٹھوں میں یا کھال کے نیچے گوشت میں انجکشن لگوانا
۱۰۔ عطر یا تی خوشبو سونگھنا وغیرہ۔“

(زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:۳، ص:۱۰۴)

(جاری ہے)

تربیت کے نبوی مناہج

آپ ﷺ نے تربیت کے لئے کچھ مبادیات ارشاد فرمائے

حوصلہ افزائی کرنا، مزدوری بروقت ادا کرنا، اعمال صالح کیلئے جذبہ محرک کو ابھارنا حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک سنت ہے

ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد

قرآن مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تربیتِ نفوس کو قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ اور مدینہ میں معروضی حالات و واقعات کے مطابق افرادِ معاشرہ کی تربیت کی۔ آپ ﷺ کی تربیت کے نتیجہ میں عرب کے صحرا نشین، ایران و روم کی سلطنتوں کے وارث اور علوم و فنون میں دنیا بھر کے امام بن گئے۔ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تعلیم و تربیت کا عمل ہمہ وقت، ساتھ ساتھ چلتا رہا اور کوئی لمحہ ایسا نظر نہیں آتا جب دونوں میں سے کسی ایک پہلو سے بھی غفلت برتی گئی ہو۔ دراصل یہی آپ ﷺ کی تعلیمات کی جامعیت و کاملیت ہے۔

تربیت سے مراد انسانی قویٰ کی نشوونما، افکار و عقائد کی اصلاح، اخلاقِ حسنہ کو پروان چڑھانا اور اخلاقِ رذیلہ کو اپنے اندر سے نکالنا ہے۔ اس کا تعلق بندے کے ظاہری اعمال کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی اعمال سے بھی ہوتا ہے۔ اس لیے جب بھی کسی مذہب یا شخصیت کے حوالے سے نظامِ تربیت پر گفتگو ہوگی تو اس سے مراد ظاہری و باطنی دونوں اعمال کا صراطِ مستقیم اور صحیح خطوط پر استوار کرنا ہی ہوگا۔ قرآن و حدیث میں تربیت کے لیے زیادہ تر تزکیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تربیتِ نفس اور تشکیلِ سیرت کے مناہج و مبادیات

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کے طرزِ زندگی کو سنوارنے، ان کے نفوس کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر و تہذیب کے لیے کچھ مبادیات ارشاد فرمائے۔ ان مبادیات کو عصرِ حاضر کے ماہرینِ نفسیات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر افراد کی تعلیم و تعلم اور تربیت کے لیے ان مبادی کا استعمال کیا جائے تو سیکھنے کا عمل بہت آسان بھی ہو جاتا ہے اور تیزی سے انجام بھی پاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی نفسیاتی تربیت، تعمیرِ سیرت اور شخصیت سازی کے لیے ان مبادی کو استعمال کیا ہے۔ یہاں ان مبادی کا اجمالی تعارف کرایا جارہا ہے:

(۱) جذبۂ محرک ابھارنا

تعلیم و تربیت کے عمل میں ''محرک'' بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ انسان اور حیوان اسی وقت سیکھتے ہیں جب ان کے سامنے ایسا مسئلہ آئے جو ان میں اس مسئلہ کو حل کرنے کی تحریک پیدا کرے۔ انسانوں میں تربیت اور تعلم کے جذبہ کو ابھارنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کیے جاسکتے ہیں جن میں زیادہ تر ترغیب و ترہیب اور قصص کی مدد لی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایمانیات، عبادات، اوامر کی ادائیگی اور منہیات و محرمات سے اجتناب کے لیے ترغیب و ترہیب سے

٭ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ منہاج یونیورسٹی، لاہور

بطورِ محرک مدد لی ہے۔ دعوتِ اسلام کے ابتدائی مرحلہ میں عقیدۂ توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت کے لیے کئی ایسی احادیث ہیں جن میں فقط کلمۂ توحید پر نجات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسلام قبول کرنے اور عقیدۂ توحید اختیار کرنے کی فضیلت بتاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة من ایمان۔ (ترمذی، السنن، ج۴، ص۳۶۰، رقم ۱۹۹۸)

’’وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں داخل ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔‘‘

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

فان حقه علیهم ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا قال اتدری ماحقهم علیه اذا فعلوا ذلك قلت الله ورسوله اعلم قال ان لا یعذبهم۔ (ترمذی، السنن، ج۵، ص۲۶، رقم ۲۶۴۳)

’’اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ ان کو عذاب نہ دے۔‘‘

اسی طرح ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا انتقال اس شکل میں ہوا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا تو جنت اس پر واجب ہے اور جس شخص کا انتقال شرک کی حالت میں ہوا، تو جہنم اس پر واجب ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نفسیاتی تربیت کے لیے قصص سے مدد لیتے ہوئے ان میں دلچسپی پیدا کی۔ ان قصوں کے ذریعے صحابہ رضی اللہ عنہم میں لوگوں کے ساتھ رحمت و شفقت کرنے، محتاجوں سے تعاون کرنے اور مظلوموں کی امداد کرنے کی تعلیم دی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں لوگوں سے درگزر کرنے کا قصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے غلام سے کہتا تھا کہ جب تم کسی تنگدست کے پاس قرض وصول کرنے جاؤ تو:

فتجاوز عنه لعل الله ان یتجاوز عنا قال: فلقی الله فتجاوز عنه۔ (بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۸۳، رقم: ۳۲۹۳)

’’اس سے درگزر کیا کرو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ چنانچہ جب وہ شخص اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا۔‘‘

حیوانات سے شفقت و رحمت سے پیش آنے کے حوالے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا، جہاں اس نے ایک کتے کو پیاس سے گیلی مٹی چاٹتے دیکھا۔ اس شخص نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس نے نڈھال کردیا ہے۔ وہ کنویں میں اترا، اپنے موزے میں پانی بھرا اور اسے اپنے منہ میں پکڑ کر اوپر چڑھا اور کتے کو پلادیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول فرمالیا اور اس کی مغفرت فرمادی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ قصہ سن کر عرض کیا: کیا چوپایوں کی مدد میں بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جاندار کو آرام پہنچانے میں اجر ہے۔

احادیث میں قصص اس لیے بیان کیے جاتے کہ انسان کی نفسیات ہے کہ وہ قصوں کو غور سے سنتا ہے اور ان سے سبق حاصل کرتا ہے۔ نصیحت و عبرت اور لوگوں کی نفسیاتی تربیت کے لیے قصص و کہانیاں انتہائی موثر طریقہ سے محرک کا کردار ادا کرتی ہیں۔

(۲) حوصلہ افزائی اور تحسین

حضور نبی اکرم ﷺ، افراد کے مزاج، فطرت اور نفسیات سے سب سے زیادہ باخبر تھے۔ فرد کو سرگرم عمل کرنے یا حصولِ

مقصد کے لیے جس طرح ”محرک“ اہم کردار ہے، اسی طرح انسانی کاموں کو قوت پہنچانے اور ان میں مداومت پیدا کرنے میں معاوضہ، حوصلہ افزائی اور تحسین کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اچھے طرزِ زندگی کو استحکام بخشنے کے لیے معاوضہ ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔

”مزدور کی مزدوری، اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کیا کرو۔“ (ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۴۴۳)

حضور نبی اکرم ﷺ نے آجروں کو نصیحت کی کہ وہ مزدور سے کام کرانے سے قبل اس کی اجرت طے کرلیں تاکہ اس میں کام کرنے کا شوق ابھرے۔ آپ ﷺ کے ایک ارشاد گرامی کے مطابق جو شخص کسی مزدور کو اجرت پر رکھنا چاہے تو اسے پہلے ہی سے اجرت سے آگاہ کردینا چاہیے۔ یہ اس لیے کہ اس میں محنت کرنے کی ترغیب پیدا ہوسکے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اچھے اعمال انجام دیتے، ان پر سرکارِ دو جہاں ﷺ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ صحابہ میں جو اچھی صفات ہوتیں، ان کا ذکر قدر اور عزت کے ساتھ کرکے انہیں قوت پہنچاتے۔ یہ تعریف اور قدر دانی ان کے لیے مالی معاوضہ سے زیادہ موئثر ثابت ہوتی۔ دور اول کے مسلمان مربیوں نے تعلیماتِ نبویہ کی روشنی میں یہ ہدایت کی کہ بچہ کی تعلیم و تربیت میں تعریف اور ہمت افزائی سے کام لیا جائے اور زدو کوب کے ذریعہ سزا دینے سے منع فرمایا۔ سوائے ان نادر حالات کے جن میں اصلاح کی تمام دوسری کوششیں ناکام ہوجانے کی وجہ سے مارنا ضروری ہوگیا ہو۔

(۳) توجہ کا ارتکاز

تربیت میں توجہ ایک مفید اور موئثر مبادی ہے۔ توجہ مبذول کرانے کے لیے معلمین اور مربیین مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں روزمرہ کے واقعات سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ سوالات کرکے بھی سامعین کو متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ امثال اور توضیحی نقشوں سے بھی اس سلسلہ میں مدد لی جاسکتی ہے۔

آپ ﷺ دوسروں کی توجہ کے ارتکاز کے لیے ان تمام طرق کو اختیار فرماتے۔

۱۔ ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ بازار سے گزرے تو آپ نے بکری کے ایک مردہ میمنے کو دیکھا، جس سے لوگ کراہت کررہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی اسے ایک درہم میں خریدے گا مگر کوئی صحابی تیار نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بے قیمت ہے جتنا یہ مردہ میمنا تمہارے نزدیک بے قیمت ہے۔“

(ترمذی، السنن، ص: ۶۶۱، رقم الحدیث: ۲۳۲۱)

۲۔ سوالات بھی توجہ منعطف کرنے کے لیے موئثر اور کارآمد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی یہ اسلوب مذکور ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مہینہ، دن اور شہر کے متعلق سوال کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ جانتا ہے۔ آپ ﷺ ان تینوں سوالات کے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا۔

(ترمذی، السنن، ج: ۴، ص: ۴۶۱، رقم: ۲۱۵۹)

”بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو تم پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت تمھارے اس شہر میں برقرار ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے ان سوالات کا مقصد، جن کے جوابات تمام لوگوں کو معلوم تھے، حاضرین کو پوری طرح متوجہ کرنا اور آئندہ جو بات کہی جائے گی، اسے سننے اور سمجھنے کے لے سب کے ذہنوں کو مستحضر کرنا تھا۔ یہ بات مسلم ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سرکارِ دوجہاں ﷺ کے یہ سوالات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصایا کرنے میں بڑے موئثر ثابت ہوئے۔ ہر سوال کے بعد سیدالعالمین ﷺ کا خاموش و ساکت رکھنا، صحابہ کے شوق کو جواب کے لیے ابھارنا اور ان کی توجہ منعطف کرانے کے لیے تھا۔

۳۔ سامعین کی توجہ منعطف کرانے کے لیے امثال کا استعمال بھی موئثر اور معاون ہوتا ہے۔ اس طرح مجرد معانی محسوس

صورتوں کی طرح پیش کیے جاتے ہیں تاکہ معانی قریب الفہم ہو جائیں۔ سیرت النبی ﷺ میں اس کی متعدد مثالیں اور نظائر ملتے ہیں۔ احادیث نبوی میں تشبیہات واستعارات کے ذریعے مفاہیم و معانی سمجھائے گئے۔ یہ تشبیہات اور امثلہ سامعین کی تربیت اور شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں معاون ثابت ہوئیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلاء والعشب الكثير وكانت منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصابت منها طائفة اخرى انما هي قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت كلاء فذلك مثل من فقه في دين الله ونفعه ما بعثني الله به فعلم وعلم ومثل من لم يرفع بذلك راسا ولم يقبل هدى الله الذي ارسلت به۔

”اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس کی مثال اس بارش جیسی ہے جو کسی جگہ برسی، زمین کے اچھے خاصے حصے نے پانی جذب کیا اور وہاں خوب سبزہ اگایا اور گھاس اگی۔ اور کچھ زمین بنجر تھی وہاں پانی جمع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا۔ وہاں سے لوگوں نے پانی پیا۔ جانوروں کو پلایا اور سینچائی کی۔ اور کچھ ناہموار چٹیل میدان کی شکل میں تھی۔ جہاں نہ پانی رکتا ہے اور نہ گھاس اگتی ہے۔ (یہاں) یہ اس شخص کی مثال ہے جس کو دین میں تفقہ حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے میری بعثت سے اسے فائدہ پہنچایا، چنانچہ اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کی طرف توجہ نہیں کی اور جس ہدایت کو دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے اسے قبول نہیں کیا۔“ (بخاری، الصحیح، ۱: ۴۲، رقم: ۷۹)

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں علم وہدایت کو مفید بارش سے تشبیہ دی اور اس شخص کو جو اس ہدایت سے نفع اٹھائے اسے اچھی زمین سے تشبیہ دی اور نفع نہ اٹھانے والوں کو سخت زمین کی مانند قرار دیا گیا۔ علم و ہدایت سے دلوں میں اسی طرح زندگی آتی ہے جس طرح بارش سے زمین زندہ ہو کر سرسبز ہو جاتی ہے۔ ہدایت سے نفع اٹھانے والے، اچھی زمین کی مانند اور نفع نہ اٹھانے والے سخت زمین کی مانند قرار دیئے گئے۔ اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے نبوی ہدایت نہ سیکھیں اور نہ ان پر عمل کیا، انہیں سید العالمین ﷺ نے اس ناہموار چٹیل زمین سے تشبیہ دی، جہاں پانی رکتا ہے اور نہ گھاس اور سبزہ اگتا ہے۔ یہ سب سے بدتر لوگ ہیں جو کسی کو نفع پہنچاتے ہیں اور نہ خود نفع اٹھاتے ہیں۔

(۴) تربیتی عمل میں تدریج

انسان کی تعلیم و تربیت اور اس کی کردار سازی کے لیے تدریج ایک اہم عنصر ہے۔ فرد میں بری عادات کو ختم کرنے اور اچھی عادات سکھانے کے لیے تدریج سے کام لینا انسانی نفسیات کا متقاضی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی اصول کے تحت شراب اور سود کی ممانعت اچانک نازل نہیں کی بلکہ تدریجی عمل کے ذریعے اسے ختم کیا۔

انسانی نفسیات کے سب سے بڑے ماہر، رسول اللہ ﷺ، دعوتِ اسلام کے پہلے مرحلہ میں لوگوں کو عقیدۂ توحید اختیار کرنے اور بتوں کی پرستش ترک کرنے کی طرف بلاتے تھے۔ بنیادی طور پر آپ ﷺ کی توجہ اس بات کی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان کی بنیاد مستحکم کی جائے۔ انہیں نفسیاتی اور روحانی طور پر اسلام کے پیغام کی نشر و اشاعت کے لیے جد و جہد کے لیے تیار کیا۔ جب ان کے دلوں میں ایمان مضبوط ہو گیا تو اس کے بعد دوسرے بہت سے موضوعات کو چھیڑا جو سماج کی تنظیم اور معاملاتِ معاشرہ کو منظم کرنے کے لیے ضروری تھے۔

مدینہ کے گردونواح سے جب مختلف دیہاتی لوگ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام کے بارے میں سوالات کرتے تو آپ ﷺ ان سے صرف اسلام کے بنیادی ارکان و واجبات کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے تاکہ انہیں بوجھ محسوس نہ ہو۔ اس لیے کہ جب ان کے دلوں میں اسلام جڑ پکڑ لے گا اور ان کے سینے اسلام کے لیے کھل جائیں گے تو وہ لوگ خود بخود مستحبات کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل روایت نمونہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہے جس سے تدریج کے اصول کی وضاحت ہو جائے گی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا کام بتائیں کہ جب میں وہ کام کرلوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تعبد الله و لا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة المكتوبة وتودي الزكاة المفروضة وتصوم رمضان قال والذى نفسى بيده لا ازيد على هذا فلما ولى قال النبى ﷺ من سره ان ينظرالى رجل من اهل الجنة فلينظرالى هذا۔

(بخاری، الصحیح، ۲: ۵۰۶، رقم: ۱۳۳۳)

''اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، پابندی سے نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس اعرابی نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں اس میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔''

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نومسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کے بعد انہیں صرف بنیادی فرائض سکھائے جانے میں حکمت یہ تھی کہ ان کے دلوں میں ایمان کی جڑیں مستحکم ہوجائیں، جب ان کے دلوں میں ایمان مستحکم ہوجائے گا، تو یہ خود ان کے لیے بہت سے مستحبات اور نیک اعمال سے واقف ہونے کا قوی محرک ہوگا۔

(۵) اختلافِ طبائع کی رعایت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔ ہر مٹی کی خاصیت جدا جدا ہے۔ جس طرح انسان رنگ کے اعتبار سے مختلف ہے، اسی طرح مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بھی لوگوں میں تفاوت ہے۔ کوئی نرم مزاج ہے تو کوئی سخت مزاج۔۔۔ کوئی پاک طینت ہے تو کوئی بد طینت۔۔۔ گویا لوگوں کے رنگ و آہنگ اور طبائع و اخلاق کے اعتبار سے ان کے مختلف فرق اور گروہ ہیں۔ ان میں مزاجی خصوصیات اور اثر پذیری کی صلاحیتوں میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ طبائع اثر جلد قبول کر لیتی ہیں اور کچھ بڑی دیر کے بعد۔ لوگوں کے اس طبعی اختلاف کے متعلق حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں رہنمائی ملتی ہے۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الناس معادن خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا فقهوا۔ (بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۳۲۰۳)

''لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی مانند ہیں۔ پس زمانہ جاہلیت میں جو سب سے بہتر تھا وہ اسلام میں بھی بہتر ہوگا۔ بشرطیکہ وہ دین کا فہم حاصل کرے۔''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس طرح سونے، چاندی اور دیگر اشیاء کی کانوں کی طبعی خصوصیات مختلف ہوا کرتی ہیں، اسی طرح انسانوں کے طبائع، اخلاق و عادات اور جسمانی و عقلی صلاحیتوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جو شخص زمانہ جاہلیت میں ان صفات سے آراستہ تھا، وہ دین اسلام میں داخل ہو کر اور دین میں تفقہ پیدا کرکے اپنے اس بلند اور پسندیدہ معیار کو باقی رکھ سکتا ہے۔ اس طبعی فرق کی بناء پر حضور نبی اکرم ﷺ جب اوامر و نواہی کی تعلیم دیتے تو صحابہ کے درمیان اس طبعی فرق کی رعایت کرتے ہوئے انہیں حسبِ استطاعت بجاآوری کی ہدایت فرماتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو مردم شناسی میں بہت کمال حاصل تھا۔ آپ مخاطبین کے مزاج، فطری صلاحیت اور طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے اور ان کے مزاج اور نفسیات کے مطابق ان کی تربیت فرماتے۔ کتب احادیث میں کئی ایسے واقعات درج ہیں کہ آپ ﷺ سے مختلف افراد نے مختلف اوقات میں ایک ہی سوال کیا لیکن آپ نے سائل کے سماجی اور نفسیاتی پس منظر کے مطابق مختلف جواب ارشاد فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اکرم ﷺ سے اطاعت و فرمانبرداری پر بیعت کرتے تھے تو آپ ﷺ ہم سے فرماتے: حسبِ استطاعت۔ لوگوں کی عقل اور ذہانتوں میں فرق کی رعایت حضور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں ملتی جسے امام مسلم نے اپنی الجامع کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

امرنا رسول الله ﷺ ان ننزل الناس منازلهم۔
(مسلم، الصحیح، ۱: ۶)

''ہم انبیاء کی جماعت کو اس بات کا حکم ملا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ٹھہرائیں (اور گفتگو کریں)۔''

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم قاعدہ بیان فرمایا ہے، جسے آج کے دور کے ماہرینِ تعلیم و تربیت بھی تسلیم کرتے ہیں اور با قاعدہ اختیار کر کے اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ ہر فرد سے گفتگو، اس کی عقلی صلاحیت کے معیار سے ہو۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور تہذیب و ثقافت میں مربین و معلمین افراد کی ذہنی و عقلی صلاحیتوں کی رعایت کریں۔ لوگوں کے انفعالی مزاج اور کیفیات کے اختلاف کی بنیاد پر حضور ﷺ نے ان کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا وان منهم البطئ الغضب سريع الفئ ومنهم سريع الغضب سريع الفئ فتلك بتلك الا وان منهم سريع الغضب بطئ الفئ الا وخيرهم بطئ الغضب سريع الفئ الا وشرهم سريع الغضب بطئ الفئ۔ (ترمذی، السنن، ۴: ۴۸۴، رقم: ۲۱۹۱)

''کچھ لوگوں کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ جلد غصہ آنے کی تلافی جلد ختم ہو جانے سے ہو جاتی ہے۔ اور سنو کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں جلد غصہ آتا ہے اور دیر سے ختم ہوتا ہے۔ تو دیکھو سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جنہیں دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے اور سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہیں غصہ جلد آتا ہے اور ختم دیر سے ہوتا ہے۔''

اس حدیث سے انسانوں میں شخصی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ ان خصوصیات کی تشکیل میں ماحول اور تعلیم و تربیت اثر انداز ہوتی ہے۔ انسانی کردار اور اس کے خدوخال کی تشکیل میں ماحول اور وراثت دونوں کے اثرات مسلمہ ہیں۔ بچہ کی شخصیت پر اس کے والدین بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے دوست احباب، اساتذہ اور ادارہ بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان سارے امور سے اس کی شخصیت تشکیل پائے گی۔ ان سب امور کی طرف احادیثِ نبویہ میں واضح اشارات ملتے ہیں۔

آپ ﷺ اپنے متعلقین کے جذبات کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ اگر جذبات میں سرد مہری ہوتی تو حکمت کے ساتھ ان میں گرم جوشی پیدا فرماتے۔ اگر جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو عملاً کوئی ایسی روش اختیار کرتے جس سے وہ سکون میں آجاتے۔ غزوہ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد انصار کو دیا جانے والا خطبہ اور صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات کو صحیح رخ دینا آپ ﷺ کے تربیتی منہج کے مذکورہ بالا پہلو کی عمدہ مثالیں ہیں۔ محسنِ انسانیت کا یہ طرزِ عمل اپنا کر ہر مربی بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

(۶) موقع و محل کی رعایت

حضور نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کے لیے ہمیشہ بہتر مواقع کی تلاش میں رہتے۔ جب بھی معلم انسانیت ﷺ کو موقع ملتا آپ ﷺ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے متعلقین کی تربیت فرماتے۔ صحیح بخاری و مسلم کی ایک مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی:

متی الساعۃ یا رسول اللہ ﷺ؟

''اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کب آئے گی؟''

ظاہری طور پر یہ ایک عام سا سوال تھا جو کسی کے ذہن میں آسکتا تھا، اس کا جواب سادہ انداز سے دیا جا سکتا تھا۔ مگر جب آپ نے یہ دیکھا کہ ایک شخص پر قیامت کی فکر طاری ہے تو آپ ﷺ نے جواب دینے کی بجائے اس سے سوال کیا:

ماذا اعددت لها؟

تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟

اس سوال کے ذریعے آپ نے سائل کو احتسابی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اس سوال کے ذریعے آپ نے سائل کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کی کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ قیامت کے لیے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ جب اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ خوش ہو گئے اور آپ نے فرمایا:

انت مع من احببت (طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۴۰، رقم: ۱۰۷)

”تونے جس سے محبت کی، تم اسی کے ساتھ رہو گے۔“

انسانی تربیت کے نبوی اسلوب کا بنیادی امتیاز

احادیثِ نبویہ کے مطالعہ سے انسانی تربیت کا جو منہج واضح ہوتا ہے اس میں انسان کے مادی اور روحانی پہلوؤں میں توازن اور اس کی شخصیت کی متوازن تشکیل ہوتی ہے۔ نبوی طریقِ تربیت کے تین اسالیب ہیں:

۱۔ روحانی پہلوؤں کو قوت پہنچانے والا اسلوب

۲۔ جسمانی پہلوؤں کو کنٹرول کرنے والا اسلوب

۳۔ نفسیاتی صحت کے لیے ضروری خصائل و عادات کی تعلیم کا اسلوب

جہاں تک پہلے اسلوب کا تعلق ہے اس کے لیے اسلام اس بات کا داعی ہے کہ انسان اللہ پر ایمان لائے، اسے تنہا معبود مانے، اسی کی عبادت کرے اور کسی دوسرے کو اس عبادت میں شریک نہ کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی کے ابتدائی تیرہ سال عقیدۂ توحید کی دعوت کی صورت میں اس اسلوبِ تربیت کو اپنایا۔ ایمان باللہ سے دل؛ انشراح، خوشی اور احساس خوش بختی سے معمور ہو جاتا ہے جبکہ تقویٰ انسان کو اپنی ذات سنوارنے اور اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے پر آمادہ کرتا ہے۔ عبادات کی ادائیگی سے انسان مشقتوں پر صبر کرنا، نفس کا مجاہدہ کرنا، خواہشات پر قابو پانا اور لوگوں سے محبت اور حسنِ سلوک سیکھتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ عبادت انسان میں سماجی اشتراک و تعاون اور اجتماعی کفالت کے جذبات کو پروان چڑھاتی ہے۔

اسلام جسمانی محرکات کے فطری تقاضوں کو کچلنے اور ختم کرنے کا داعی نہیں بلکہ انہیں منظم، مربوط اور ان پر قابو پانے کی ایسی تعلیم دیتا ہے جس سے فرد اور جماعت دونوں کی مصالح ملحوظ ہوں۔ قرآن مجید کی طرح احادیث نبویہ میں اس مقصد کے لیے ایک طرف تو جسمانی و نفسیاتی خواہشات کو جائز طریقہ سے پوری کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے تو دوسری طرف اسراف و تبذیر اور افراط و تفریط سے روکا گیا ہے۔

جہاں تک تیسرے اسلوب کا تعلق ہے تو اس مقصد کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو ایسی ہدایات ارشاد فرمائیں، جن سے ان کی تاثراتی و سماجی پختگی، شخصیت کی نشوونما کے لیے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے، سماج کی نرمی اور زمین کو آباد کرنے میں اچھا کردار ادا کرنے کی خوبیاں پیدا ہوں اور وہ نفسیاتی صحت سے مالامال متوازن زندگی گزار سکیں۔ ان میں خود اعتمادی، احساسِ ذمہ داری، استغناء، قناعت اور رضا بالقضا جیسے اوصاف پیدا ہو سکیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسان کی شخصیت کی تعمیر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت کی جس سے ان کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کی حفاظت ہو اور وہ کامل، قوی، سرگرم، خوش نصیب اور مطمئن افراد بن سکیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں دنیا کے تمام لوگوں سے ان اوصاف میں سبقت لے گئے اور تاریخ کے نابغۂ روزگار افراد بن گئے۔ قرونِ اولیٰ اور بعد کے ادوار میں صوفیہ نے اپنے زیرِ تربیت افراد کی تربیت بھی اسی نبوی طریق سے اس طرح کی کہ ان میں وہ شخصی اوصاف پیدا ہو گئے جس سے وہ دنیا و آخرت کی کامیابیوں کے مستحق بن گئے۔

خلاصۂ بحث

کامل اور متوازن شخصیت کا سب سے کامل نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات میں مادی اور روحانی دونوں پہلو پورے توازن کے ساتھ موجود تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کامیاب اور متوازن شخصیت کے لیے بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔ تمام قابلِ تعریف اخلاقی اوصاف اور شخصی کمالات آپ ﷺ کی ذات میں جمع تھے اور آپ ﷺ نفسِ مطمئنہ کے اس کمال پر فائز تھے جس میں اعلیٰ و متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے۔ مربین و معلمین کے لیے آپ ﷺ کا منہج مثالی اور معیاری حیثیت کا حامل ہے۔

❁❁❁❁❁

23 مارچ 1940ء کا تاریخ ساز دن

قراردادِ پاکستان صحیفہ تاریخ کا سنہری عنوان اور مسلمانانِ برصغیر کی تقدیر بدلنے کی مکمل داستان ہے

احسان حسن ساحر

23مارچ 1940ء کا دن برصغیر کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ تاریخی دن ہے جب اسلامیانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ نے اپنے عظیم قائد محمد علی جناح کی زیر قیادت منعقد ہونے والے ایک عظیم اجتماع میں حصولِ وطن کے لیے ایک تاریخی قراداد منظور کی۔ یہ وہ قراداد تھی جس کا تصور علامہ اقبالؒ نے 1930ء میں اپنے خطبہ الہ آباد میں پیش کیا تھا۔ اس تصور میں علامہ اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی اور حقوق کی نگہداشت کے لیے اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ خود مختار اسلامی ریاست کے قیام کی ٹھوس تجویز پیش کر کے برطانوی اور ہندو حکمرانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ چنانچہ 1930 سے 1940ء تک اس سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی، وہ برطانوی ہند کی حکومت کی طرف 1935ء کا وہ ایکٹ تھا جس کے تحت 1937ء میں ملکی انتخابات عمل میں آئے۔

یہ وہ دور تھا جب قائد اعظم نے مسلم لیگ کو دوبارہ فعال، مؤثر اور منظم کرنے کی ذمہ داری سنبھالی۔ چنانچہ اپنی مسلسل محنت اور شب و روز کام کے بعد اُنہوں نے مخالفین پر یہ ثابت کر دیا کہ متحدہ ہندوستان میں صرف ھندو اور انگریز ہی دو بڑی قومیں نہیں بلکہ ایک تیسری بڑی قوم بھی آباد ہے جو مسلمان کہلاتی ہے۔ اس طرح عظیم قائد نے مسلمانانِ ہند کو سیاسی اعتبار سے ہندوؤں اور انگریزوں کے ہم پلہ بنادیا اور دو قومی نظریہ کی اشاعت و ترویج سے یہ لوگ قومیت کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئے۔

☆ آج ہم 23مارچ 2023ء قراردادِ پاکستان کی 83ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ یہ دن اہلِ وطن کے لیے انتہائی اہم اور تاریخی یادگار دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دن کی خوشیاں مناتے ہوئے جہاں ہم علمی مباحثے، جلسے جلوس، تقاریر اور دیگر تقریبات منعقد کرتے ہیں، وہاں ہمارا یہ ملی فرض بھی ہے کہ تحریک پاکستان کے اُن زعما و اکابرین کو قلبی خراج تحسین پیش کریں جنھوں نے جدو جہدِ آزادی میں اپنی تمام فطری صلاحیتوں (Energies)، قوتوں اور ملی جذبوں کو گرماتے ہوئے تعمیرِ وطن میں ایک جاندار، تاریخی اور ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا اور بحثیت قومی رہنما اپنی منصبی ذمہ داریوں کو نبھایا۔

قوم کے یہ جیالے، بہادر، مخلص بے لوث اور اہل درد لوگ کون تھے؟ یہ وہ عظیم شخصیات تھیں جن کو ایسی باحیاء وفادار غیور اور بہادر ماؤں نے جنم دیا تھا جن کا خون جذبۂ حب الوطنی اور حراتِ ایمانی سے گرم رہتا تھا، اُن رہنمایانِ ملت کا خمیر بھی اِن نیک سیرت ماؤں ہی کے خون سے تیار ہوا تھا جنھوں نے فرنگی عہد کی تہذیب و ثقافت کے زیر اثر اپنی اسلامی اقدار کے چمن زار کو ہمیشہ تروتازہ اور شاد و آباد رکھ کر پھول کی کسی کلی کو خاک آلود نہ ہونے دیا۔ آج بھی ملک و ملت کو ایسی ہی باغیرت اور ہوش مند ماؤں کی ضرورت ہے جن کی گودوں میں پروان چڑھنے والے فرزند جوان ہو کر پھر سے محمد علی جوہر، ظفر علی خان، مولوی ابو لقاسم، فضلِ حق، خلیق الزمان، سردار عبدالرب نشتر، لیاقت علی خان اور علامہ اقبال بن کر وطن کو مزید استحکام بخشیں۔ یہ اُن شخصیات کے اسماء گرامی ہیں جنھوں نے وطن کی بقاء سالمیت کو جز

وِایمان کا درجہ دے کر ہمیشہ اپنے قائد کا بے لوث ساتھ دیا اور تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کرکے اپنے نام کو ہمیشہ کے لیے تاریخی اوراق میں محفوظ کرلیا۔

☆ 23مارچ 1940ء بمطابق 3صفر 1359ھجری بروز جمعہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس روز مسلمانانِ ھند کے جزبات واحساسات اور سینوں میں پنہاں مضطرب اُمنگوں کی بھر پور ترجمانی کرتے ہوئے لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر لاہور کے قدیم تاریخی شہر کے وسیع وعریض منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں اپنے قائدین کو سننے کے لیے موجود تھا۔ اِن تمام محبانِ قوم کے دل دھڑک رہے تھے اور کان کسی انجانی خوشخبری کو سننے کے لیے بے قرار تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دوسری جنگ عظیم نے برطانوی حکمرانوں کو بُری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کانگریس نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر انگریز حکومت کو بلیک میل کرنے کے تمام حربے استعمال کیے۔ ان کا مؤقف تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے بعد اقتدارِ اعلیٰ کی حق دار صرف ہندو قوم ہے، لٰہذا برطانوی حکمرانوں کو اقتدار سے الگ ہو کر سارا ملکی نظام ہندؤوں کے سپرد کرکے اپنے وطن لوٹ جانا چاہیے۔

دوسری طرف مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت مسلم لیگ نے ملک کے طول وعرض میں مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کردیں۔ قراردادِ پاکستان کے سلسلہ میں 1940ء کے اجلاس کا انعقاد 1939ء کے ملتوی شدہ اجلاس کی جگہ ہونا قرار پایا تھا۔ 1939ء کے آخر میں جب مجلسِ استقبالیہ کے چند ارکان اس تاریخی اجلاس کو حتمی شکل دینے کی تیاریوں میں مصروف تھے تو مخالفین نے ایک بار پھر اسے معرضِ التواء میں ڈالنے کی مذموم کوشش کی۔ جب یہ خبر قائدِ اعظم تک پہنچی تو اُنہوں نے اس جلاس کو ملتوی کرنے کی سخت مخالفت اور مذمت کی۔ چنانچہ اُن کی خصوصی ہدایت پر ایک مختصر اور مستعد افراد پر مشتمل مجلسِ استقبالیہ تشکیل دی گئی جس میں صوبائی مسلم لیگ کے صدر محمد شاہ نواز ممدوٹ کو مجلس ہذا کا صدر اور میاں بشیر احمد کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ سید خلیل الرحمٰن، محبوب احمد قریشی، میاں امیر الدین، خواجہ عبداللہ، سید امیر حسین، حافظ معراج الدین، میاں فیروز الدین، نواب زادہ رشید علی، نواب محمد اکبر ممدوٹ اور احمد کمال جیسے اکابر پر مشتمل یہ نو تشکیل کردہ مجلس کئی ماہ تک شب وروز اس اجلاس کی تیاریوں میں مصروف رہی۔ اس طرح جملہ معاملات کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ اس اجلاس کیلئے تاریخی بادشاہی مسجد کے زیرِ سایہ منٹو پارک کے وسیع میدان کا انتخاب کیا گیا۔ پھر وہ گھڑی بھی آن پہنچی جب اسی میدان میں ایک تاریخی قرارداد منظور کی گئی جسے تاریخ میں قراردادِ لاہور (Resolution Lahore) کے عنوان سے درج کردیا گیا۔

☆ یہ قرارداد صحیفۂ تاریخ کا وہ **سُنہری** عنوان ہے جس کے پس منظر میں مسلمانان برصغیر کی تقدیر بدلنے کی مکمل داستان رقم ہے۔ قراردادِ لاہور صرف سفید کاغذات پر لکھی گئی ایک عبارت کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک غیور اور جرأت مند قوم کے عملی ارادے کا بھرپور اظہار بھی ہے۔ یہ قرارداد نہ صرف سیاسی بلکہ خالصتاً ایک ایسی مذہبی تجویز بھی ہے جسکی بنیاد دو قومی نظریہ پر رکھی گئی۔ قائدِ اعظمؒ کی کئی بصیرت افروز تقاریر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ایک طویل عرصہ تک انڈین کانگریس سے وابستہ رہنے کے باوجود وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانانِ برصغیر ایک متحرک اور زندہ جاوید قوم کی حیثیت سے ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر اپنی زندگی نہیں گزار سکتے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ قوم ہر قدم پر مسلمانوں کی دل آزاری کرکے ان کو دکھ اور تکلیف پہنچاتی رہی ہے۔ حالانکہ ایسے حاسدانہ حالات کی اصلاح کے لیے قائدِ اعظم نے اپنی فطری فراخدلی اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کئی بار ان کی طرف خیر سگالی کا ہاتھ بڑھایا مگر ہر بار اُن کو مایوسی اور ناکامی کا سامنا رہا۔

انڈین کانگریس اگرچہ ایک مدت تک مولانا ابو الکلام آزاد کی زیرِ قیادت بھی رہی تھی لیکن پھر بھی وہ مسلمانوں کو کوئی رعایت دیتی اور نہ ہی اِنہیں اپنا بنیادی حق استعمال کرنے دیتی۔ ان معاملات میں اس جماعت کا طرزِ عمل رویہ اور وطیرہ ہمیشہ متشددانہ اور اڑیل رہا۔ حالانکہ بہت سے ایسے مسلمان بھی تھے جو قوم پرستوں کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے اور مکمل طور پر کانگریس سے بھی وابستہ تھے۔ چنانچہ جب 1930ء میں علامہ

اقبالؒ نے اپنے منشور الہ آباد میں ہندوستان میں مقیم مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ خود مختار اسلامی ملک کے قیام و حصول کا تصور پیش کیا تو مسلمانانِ ہند کو اُمید کی ایک روشن کرن نظر آئی۔ اُنہیں ایسے محسوس ہوا جیسے مستقبل قریب میں وہ اس کرب انگیز زندگی سے نجات پا کر کھلی اور آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے قابل ہو جائیں گے، اس طرح اُن کو منزل مراد کی دھندلی سی تصویر دکھائی دینے لگی۔ اس تسلی نے ان کو اضطرابی حالت سے نجات دلا کر فرحت و تسکین بخشی۔

علامہ اقبالؒ کے تصورِ پاکستان کا ایک مزید فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس سے مسلم لیگ کی مقصدیت کو تقویت و استحکام مل گیا۔ ان دنوں قائدِ اعظم لندن میں مقیم تھے اور کانگریس اپنی دولت و طاقت کی وجہ سے روز افزوں مؤثر و مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ ہندو قوم کا وطیرہ مسلمانانِ ہند کے ساتھ مسلسل ظالمانہ و آمرانہ صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ حالات کی ناگفتہ بہی اور بگڑتے ہوئے معاملات کی نزاکت کے پیش نظر علامہ اقبال نے قائدِ اعظم کو یہ ترغیب دی کہ وہ مسلم قوم کو اس ابتلاء سے آزادی اور نجات دلانے کے لیے لندن میں پریوی کونسل کے رکن کی حیثیت سے جو فرائض انجام دے رہے ہیں، انہیں ترک کر کے مسلمانوں کے ڈگمگاتے قافلے کو منزل پر پہنچا دیں۔ قائدِ اعظم نے علامہ اقبال کی اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے فوراً لندن کو خیر باد کہا اور لاہور تشریف لے آئے۔ اس طرح اُنہوں نے سب سے پہلے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کا آغاز کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں تدبیر و عمل کی ایک نئی اور تازہ قوت پیدا ہو گئی اور ان کی پژمردہ روح کو بالیدگی حاصل ہونے لگی۔

☆ 1935ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے قانون ساز اسمبلی میں ایک بھرپور اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کانگریس کی حکمتِ عملی اب اس موڑ پر آن پہنچی ہے کہ جہاں سے مسلمانوں میں تفریق کے عناصر جنم لینے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس سیاسی جماعت کی یہ حکمتِ عملی برطانوی طرز کی قدیم تدبیر کا عکس ہے۔ اس جماعت کے پیروکار اور وابستگان اپنے آقاؤں کے قدم بہ قدم چلتے ہیں جبکہ برطانوی سامراج ہر لحظہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ کانگریس کیا کر رہی ہے؟ اس نے کبھی بھی اس امر کی طرف توجہ نہیں دی کہ مسلمانوں کے افکار و اعمال کس صورتحال سے دوچار رہیں۔ پس ایسی عدمِ توجہی اور غیر منصفانہ طرزِ عمل کے پیشِ نظر یہ لازم ہے کہ مسلمان قوم خود کو زیادہ سے زیادہ مستحکم، مضبوط، فعال، متحد اور منظم بنائے اور اپنی بقاء و سلامتی کے لئے خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائے۔

قائدِ اعظم کی اس مساعی جمیلہ اور اَن تھک کوششوں سے رفتہ رفتہ مسلم لیگی لوگ منظم و متحد ہونے لگے۔ اس دوران فرقہ وارانہ کشیدگی اور فسادات حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ جب مسلمان اپنے اُوپر ہونیوالے مظالم کا جواب دیتے تو اُلٹا انہی کو موردِ الزام ٹھہرا کر پابند سلاسل کر دیا جاتا۔ آخر 1937ء میں سندھ مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام قائدِ اعظم کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں بالاتفاق یہ قرارداد منظور کی گئی کہ چونکہ ہندوستان میں امن و خوشحالی کے لیے یہ امر لازمی ہے کہ اس خطہ زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلم فیڈریشن اور جن علاقوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے وہاں غیر مسلم فیڈریشن قائم کر دی جائے تاکہ دونوں اقوام علیحدہ علیحدہ اخلاقی معاشرتی، مذہبی اور اقتصادی منصوبہ بندی کے ذریعے اپنی اپنی حفاظت کر سکیں۔

اس قرارداد کے بعد مسلم لیگ کے وابستگان نے خلوصِ نیت اور اجتماعی طور پر اپنے عظیم قائد کی زیر قیادت آزاد وطن کے حصول کی بھرپور جدوجہد کا سفر شروع کر دیا۔ وہ گاہے گاہے اپنے مطالبات حکومت کو پیش کرتے رہتے۔ 1939ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی تو کانگریس نے حکومتِ برطانیہ سے سودے بازی کی ایک نئی شاطرانہ چال چلی مگر جب اُسے اپنے مطلوبہ مفادات حاصل نہ ہوئے تو اُس نے جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ قائدِ اعظم چونکہ صاحبِ بصیرت اور گہری سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک تھے، اس لیے ان کے مشورہ سے مسلم لیگ نے حکومتِ برطانیہ کے ساتھ اپنے مکمل تعاون کا برملا اعلان کر دیا۔ ردِ عمل کے طور پر کانگریس میں توڑ پھوڑ اور افراتفری کا عمل تیز ہو گیا۔ ان بگڑتے حالات سے خائف ہو کر

کانگریس نے مسلم لیگ سے اتحاد و یگانگت کا ڈھونگ بھی رچایا مگر اس کی یہ چال بھی ناکام و نامراد گئی۔ بعدازاں جب حالات میں قدرے ٹھہراؤ اور اعتدال آیا تو 23 مارچ 1940ء کو مسلم زعماء نے لاہور کے تاریخی شہر میں بالاتفاق قراردادِ لاہور پیش کر کے شاعرِ مشرق کے اس خواب کی عملی تعبیر پیش کر دی جس کا تصور اُنہوں نے 1930ء میں اپنے خطبہ الٰہ آباد میں پیش فرمایا تھا۔

☆ اس تاریخی قرارداد کو پیش کرنے کے لیے قائدِاعظم مع رفقاء 20 مارچ 1940ء کو دہلی سے بذریعہ اسپیشل ٹرین لاہور تشریف لائے تو راستہ میں آنیوالے ہر اسٹیشن پر مسلمانوں کا ایک جمِ غفیر اپنے قائد کی ایک جھلک دیکھنے کے موجود تھا۔ 21 مارچ کو صبح 9 بجے قائدِاعظم اپنی سحر انگیز شخصیت کے ہمراہ لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے، ان کے والہانہ اور تاریخی خیر مقدم کے لیے جو معززین پہلے سے موجود تھے، ان میں شاہ نواز ممدوٹ، سر سکندر حیات، ملک خضر حیات ٹوانہ، میاں عبدالحیٔ اور دیگر بے شمار اعلیٰ مسلم لیگی لیڈر شامل تھے۔ قائد نے اپنی آمد کے بعد اخباری نمائندوں کو بتایا کہ لاہور اسٹیشن مسلمانانِ ہند کے مستقبل کی تاریخ کا دور آفریں واقعہ ہوگا۔

23 مارچ کو منٹو پارک میں ساٹھ ہزار افراد کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ پنڈال میں چہار اطراف مسلم لیگی پرچم فضاء میں لہرا کر مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی کا اعلان کر رہے تھے۔ جب قائدِاعظم اپنی پُر وقار چال سے پنڈال میں تشریف لائے تو مجلس استقبالیہ نے اُن کو خوش آمدید کہا۔ تلاوتِ قرآن حکیم کے بعد ولولہ انگیز نظمیں پڑھی گئیں اور پھر خان ممدوٹ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ اس کے بعد قائدِاعظم نے اس عظیم اجتماع سے خصوصی خطاب فرمایا۔ یہ اجتماع مسلمانانِ ہند کا ایک بھرپور نمائندہ اجتماع تھا، اس میں پنجاب بنگال اور آسام کے وزراء اور صوبائی مرکزی اسمبلیوں کے مسلمان ممبران نے کثرت سے شرکت کی۔ علاوہ ازیں خواتین نے بھرپور انداز میں شامل ہو کر جذبۂ حب الوطنی کی ایک نادر تمثیل قائم کر دی۔ 23 مارچ 1940 کو قراردادِ پاکستان پیش کی گئی جبکہ اس سے اگلے روز یعنی 24 مارچ 1940 بروز ہفتہ اس کے اصل مسودہ پر سیر حاصل بحث ہوئی۔، سید ذاکر علی، بیگم مولانا محمد علی اور مولانا عبدالحمید نے اس قرارداد کی حمایت و تائید میں پر مغز خطابات کیے۔ بالآخر جوش و جذبہ کی فضاؤں میں یہ تاریخی قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی اور اسے قراردادِ لاہور کا حتمی عنوان دیگر تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر لیا گیا۔ بعدازاں اسے قرارداد لاہور کی بجائے قراردادِ پاکستان کے عنوان سے موسوم کر دیا گیا۔

لمحۂ فکریہ

من حیث القوم ہم رسم و روایت کے کچھ اس طرح خوگر ہو چکے ہیں کہ ہم اپنی عبادات نماز و روزہ تک رسمی طور پر ادا کرتے ہیں یعنی نماز بھی پڑھیں گے لیکن سارا دن دوسری برائیوں سے ذرا پرہیز بھی نہیں کریں گے۔ روزہ رکھ کر سارا دن جھوٹ، بہتان، الزام اور غیبت بھی خوب مزے سے کریں گے۔ اسی طرح ہر تہوار سارا دن بڑے تزک اہتمام سے منائیں گے، خوب قومی نغمے اور جذبات سے لبریز حب الوطنی کی تقاریر کریں گے، جلسے جلوسوں کی بھی کثرت ہوگی اور ہماری ہر بات کی تان پاکستان کی ترقی و استحکام پر آ کر ٹوٹے گی۔ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا لگا کر ہمارے گلے بیٹھ جاتے ہیں لیکن ہم میں سے شاید ہی کسی نے اس کی معاشی، علمی، معاشرتی اور سیاسی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے کوئی منصوبہ، پروگرام یا فیصلہ کیا ہو۔

یومِ پاکستان ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے آپ سے عہد کریں اور اپنی خود احتسابی کریں کہ آئندہ اس ارضِ پاک کی معاشی بہتری کے لیے فضول خرچی سے اجتناب کریں گے۔۔۔ جہالت کے خاتمہ کے لیے کسی غریب پاکستانی کے بچے کی تعلیم کی ذمہ داری لیں گے۔۔۔ نظامِ تعلیم کی بہتری کے لیے اور اسے قومی امنگوں سے آہنگ کرنے کے لیے زبان و قلم کو بروئے کار لائیں گے۔۔۔ سیاسی ابتری کے خاتمہ کے لیے بداخلاق، کرپٹ، نااہل حکمرانوں، سیاستدانوں سے بلاامتیاز پارٹی و برادری اپنا تعلق ختم کر کے اُن کا قبلہ درست کریں گے۔۔۔ ملک میں رائج فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام کو جڑ سے اکھاڑنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔۔۔ جھوٹ فریب اور کرپشن سے تائب ہو کر ملکِ پاکستان کے استحکام میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

❀❀❀❀❀

نظریہ حب الوطنی قرآن و سنت کی روشنی میں

ہر انسان طبعی طور پر اپنے وطن سے محبت کا جذبہ رکھتا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا اے مکۃ المکرمہ! تو کتنا پاکیزہ اور مجھے کتنا محبوب ہے

تحریر: محمد اقبال چشتی (ریسرچ اسکالر FMRi) (حصہ اول)

وطن کی محبت ایمان کا تقاضا ہے۔ انسان کا اپنی جائے ولادت اور مسکن کے ساتھ محبت و یگانگت کا تعلق ایک فطری عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی اَحادیثِ مبارکہ میں مکہ المکرمہ سے والہانہ محبت کا اظہار اسی حبّ الوطنی کا ثبوت ہے۔ کسی چیز کے ساتھ خالص محبت ترجیحات کے عملی تعین کی متقاضی ہوتی ہے۔ اگر کسی مرغوب جگہ یا چیز کے ساتھ محبت والہانہ ہو تو فوقیات و ترجیحات (preferences) اور ہو جاتی ہیں۔

ہر انسان طبعی طور پر اپنے وطن سے محبت کا جذبہ رکھتا ہے۔ اسلام میں کسی مقام پر بھی وطن سے محبت کی نفی کے متعلق احکامات وارد نہیں ہوئے البتہ اس کے بر عکس قرآن وسنت میں واضح طور پر ایسی نصوص ملتی ہیں جو صریحًا وطن کی محبت پر دلالت کرتی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال و اَفعال مبارکہ میں واضح طور پر وطن سے محبت کی نظائر و امثلہ ملتی ہیں۔ مستزاد یہ ہے کہ علماء و فقہاء نے ایسی نظائر و امثلہ سے وطن کے ساتھ محبت کو شرعًا جائز قرار دیا ہے۔

محدثین و مفسرین نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنے مولد و مسکن یعنی مکہ مکرمہ کے ساتھ محبت و عقیدت سے متعلقہ کئی روایات ذکر کی ہیں، یہاں تک کہ امام سہیلی (۵۸۱ھ) نے اپنی کتاب 'الروض الانف' میں باقاعدہ یہ عنوان باندھا ہے: حُبُّ الرَّسُوْلِ ﷺ وَطَنَهُ (یعنی رسول ﷺ کی اپنے وطن کے لیے محبت)۔ اس عنوان کے تحت امام سہیلی لکھتے ہیں کہ جب ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ کی قوم آپ کی تکذیب کرے گی تو آپ ﷺ نے خاموشی فرمائی۔ ثانیاً جب انھوں نے بتایا کہ آپ کی قوم آپ کو تکلیف و اذیت میں مبتلا کرے گی، تب بھی آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا۔ تیسری بات جب اس نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا تو آپ ﷺ نے فورا فرمایا: أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟ کیا وہ مجھے میرے وطن سے نکال دیں گے؟ یہ بیان کرنے کے بعد امام سہیلی لکھتے ہیں: فَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰی حُبِّ الْوَطَنِ وَشِدَّةِ مُفَارَقَتِهٖ عَلَی النَّفْسِ. (اس ارشاد میں آپ ﷺ کی اپنے وطن سے شدید محبت پر دلیل ہے اور یہ کہ اپنے وطن سے جدائی آپ صلی ﷺ پر کتنی شاق تھی۔

(سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۴۲۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب وطن سے نکالے جانے کے متعلق سنا تو فورا فرمایا کہ کیا میرے دشمن مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ حضور نبی اکرم ﷺ کا سوال بھی بہت بلیغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے جو الفاظ کہے جن کو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ.

''اے مکۃ المکرمہ! تُو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور تو مجھے کتنا محبوب ہے! اگر میری قوم تجھ سے نکلنے پر مجھے مجبور نہ کرتی تو میں تیرے سوا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرتا۔'

(ترمذی، السنن، ۵: ۷۲۳، رقم: ۳۹۲۶)

اس حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے واضح طور پر اپنے مولد و مسکن یعنی مکۃ المکرمہ کے ساتھ محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ اِسی طرح سفر سے واپسی پر حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے وطن مالوف مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے سواری کو تیز کرنا بھی وطن سے محبت کی ایک عمدہ مثال ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ وطن کی محبت میں اتنے سرشار ہوتے کہ اس میں داخل ہونے کے لیے جلدی فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَاتِ الْمَدِينَةِ أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا۔

(بخاری، الصحیح، ۲: ۶۶۶، رقم: ۱۷۸۷)

"جب حضور نبی اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز کر دیتے اور اگر دوسرے جانور پر سوار ہوتے تو اس کی محبت میں اُسے ایڑ لگاتے۔"

اِس حدیث مبارک میں صراحتاً مذکور ہے کہ اپنے وطن مدینہ منورہ کی محبت میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے سواری کی رفتار تیز کر دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَفِي الْحَدِيثِ دَلَالَةٌ عَلَى فَضْلِ الْمَدِينَةِ، وَعَلَى مَشْرُوعِيَةِ حُبِّ الْوَطَنِ وَالْحَنِينِ إِلَيْهِ۔ (فتح الباری، ۳: ۶۲۱)

"یہ حدیث مبارک مدینہ منورہ کی فضیلت اور وطن سے محبت کی مشروعیت وجواز اور اس کے لیے مشتاق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔"

اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں متعدد احادیث مبارکہ پائی جاتی ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینۃ المنورہ کے ساتھ محبت کو واضح کرتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ پہلا پھل دیکھتے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسے قبول کرنے کے بعد دعا کرتے:

اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما۔ ہمارے (وطن) مدینہ میں برکت عطا فرما۔ ہمارے صاع میں اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔ اور مزید اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے:

اللَّهُمَّ، إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ۔ (صحیح مسلم، ۲: ۱۰۰۰، رقم: ۱۳۷۳)

"اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی۔ میں ان کی دعاؤں کے برابر اور اس سے ایک مثل زائد مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں (یعنی مدینہ میں مکہ سے دوگنا برکتیں نازل فرما)۔"

وطن سے محبت کا ایک اور انداز یہ بھی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینۃ المنورہ کی مبارک مٹی کو بیماروں کے لیے رب تعالیٰ کے حکم سے شفاء قرار دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ لِلْمَرِيضِ: بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔

(صحیح البخاری، ۵: ۲۱۶۸، رقم: ۵۴۱۳)

"اللہ کے نام سے شروع، ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض کے تھوک کے ساتھ ہمارے بیمار کو شفا دیتی ہے، ہمارے رب کے حکم سے۔"

اِسی لیے ملا علی القاری نے لکھا ہے: إِنَّ حُبَّ الْوَطَنِ لَا يُنَافِي الْإِيمَانَ۔ "یعنی وطن سے محبت ایمان کے منافی نہیں ہے۔ (یعنی اپنے وطن کے ساتھ محبت رکھنے سے بندہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا)۔ (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ: ۱۸۱، رقم: ۱۶۴)

امام زرقانی 'الموطا' کی شرح میں لکھتے ہیں:

أَصَابَتِ الْحُمَّى الصَّحَابَةَ حَتَّى جَهِدُوا مَرَضًا۔

"بخار نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دبوچ لیا یہاں تک کہ وہ بیماری کے سبب بہت لاغر ہوگئے۔"

اس قول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ زرقانی رقم طراز ہیں:

وَفِي هَذَا الْخَبَرِ وَمَا ذُكِرَ مِنْ حَنِينِهِمْ إِلَى مَكَّةَ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ النُّفُوسُ مِنْ حُبِّ الْوَطَنِ وَالْحَنِينِ إِلَيْهِ۔

(شرح الزرقانی علی الموطا، ۴: ۲۸۷-۲۸۸)

"امام سہیلی فرماتے ہیں اِس بیان میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکہ مکرمہ سے والہانہ محبت اور اشتیاق کا بیان ہے کہ وطن کی محبت اور اس کی جانب اِشتیاق اِنسانی طبائع اور فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے (اور اِسی جدائی کے سبب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیمار ہوئے تھے)۔"

(جاری ہے) ❀❀❀❀❀❀

شیخ الاسلام کے تصورِ تجدید واحیائے دین کی انفرادیت

اسلام کی سیاسی و معاشی، تعلیمی و تحقیقی، فقہی و قانونی، سماجی و ثقافتی اور مذہبی و روحانی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات کے تدارک سے ہی احیائے اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا

ڈاکٹر محمد رفیق حبیب (گلاسگو۔ یوکے)

گزشتہ سے پیوستہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تصورِ تجدید واحیائے دین کی انفرادیت وجامعیت کے حوالے سے زیرِ نظر مضمون کے پہلے حصہ (شائع شدہ فروری 2023ء) میں ہم شیخ الاسلام کی فکر کے درج ذیل چھ نمایاں پہلوؤں کا مطالعہ کر چکے ہیں:

۱۔ عروج وزوال آفاقی قوانین کی پیروی وعدم پیروی پر منحصر ہے۔ ۲۔ عروج وتمکنت کے لیے قرآن سے رہنمائی ناگزیر ہے۔
۳۔ زوال کا باعث بننے والے تغیرات کی نشاندہی۔ ۴۔ فلاح وخوشحالی کی ضمانت مبنی بر وحی الوہی نظام۔ ۵۔ قرآنی فکر سے انحراف کے سبب کی نشاندہی۔ ۶۔ تعلیماتِ اسلامی کی عدم موئثریت کی وجوہات کا بیان۔

زیرِ نظر مضمون میں شیخ الاسلام کی فکر کے ایک اور منفرد و ممتاز پہلو کا احاطہ کیا جارہا ہے جس میں آپ نے نہ صرف دینِ اسلام کی فکر کے مختلف پہلوؤں میں رونما ہونے والی اساسی تبدیلیوں اور تغیرات کو بیان کیا ہے بلکہ ان تبدیلیوں اور تغیرات کے تدارک کے حوالے سے بھی ایک قابلِ عمل حل پیش کیا ہے۔

۷۔ شیخ الاسلام کی فکر کا ساتواں نمایاں پہلو: فکرِ اسلامی میں رونما اساسی تبدیلیوں اور تغیرات کی نشاندہی اور ان کا حل

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی تجدیدی فکر کا سب سے اہم اور نمایاں پہلو جو انھیں دیگر ہم عصر مفکرین و مصلحین سے منفرد و ممتاز کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے زوال و انحطاط کے نتیجے میں فکرِ اسلامی میں پیدا ہو جانے والے تغیرات کو جس ترتیب اور جس تفصیل و نظم کے ساتھ آپ نے بیان کیا ہے، دیگر کے ہاں وہ بہت کم نظر آتا ہے۔ آپ کے نزدیک امتِ مسلمہ کے اس ہمہ جہتی زوال نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اسلام کی سیاسی و معاشی، تعلیمی و تحقیقی، فقہی و قانونی، سماجی و ثقافتی اور مذہبی و روحانی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات کے تدارک سے ہی احیائے اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔ میں خاطر خواہ تبدیلیاں اور تغیرات رونما ہوئے ہیں۔

ذیل میں ہم ان بنیادی تغیرات اور ان کے منفی اثرات کا جائزہ لیتے ہیں جنھوں نے شیخ الاسلام مدظلہ کے مطابق امتِ مسلمہ کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر بہت زیادہ متاثر کیا ہے:

(۱) سیاسی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

اسلام کی سیاسی فکر اسلام کے بطورِ نظامِ دیگر تمام نظامہائے زندگی پر سیاسی غلبے کے تصور پر مبنی ہے کیونکہ قرآن و سنت سے اخذ ہونے والے سیاسی فکر کا ماحصل یہ ہے کہ سیاسی غلبے کے بغیر امتِ مسلمہ اپنے کھوئے ہوئے سماجی، ثقافتی، علمی، اخلاقی اور روحانی تشخص کو نہ تو بحال کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کا تحفظ کر سکتی ہے۔ اسی طرح معمول بہ دین کے تینوں پہلوؤں (شریعت، طریقت اور عقیدہ و مسلک) کی اجتماعی و قومی سطح پر عملیت و موئثریت قوتِ نافذہ کے حصول سے ہی ممکن ہے۔

دورِ زوال میں سیاسی سطح پر ہونے والے تغیرات کے سلسلے میں آپ فرماتے ہیں کہ اسلام کی سیاسی فکر میں منفی تبدیلیاں فکری، علمی اور عملی سطح پر رونما ہوئی ہیں:

۱۔ فکری سطح پر مسلم ذہن نے بد قسمتی سے یہ تسلیم کرلیا کہ امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار اور سیاسی غلبہ اب دوبارہ کبھی حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ ایک مرتبہ اپنے عروج کو چھو لینے کے بعد موجودہ زوال وانحطاط اس کا فطری نتیجہ وانجام ہے۔

۲۔ فکری سطح پر ایک مزید تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ مسلم مفکرین نے اپنے تئیں یہ تصور کرلیا کہ حق و باطل کے معرکے میں اسلام دنیا میں حق کی فتح، نصرت اور کامرانی و غلبہ کی ضمانت نہیں دیتا۔ لہٰذا ان کے ہاں امت کی ذمہ داری نیکی اور خیر کو قائم کرنے کی محض جدوجہد اور کاوش کرنا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ محنت نتیجہ خیز بھی ہوتی ہے کہ نہیں، ان کے نزدیک اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔ دنیا کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں فراہم کی گئی۔

اپنے اس نظریے کی تائید میں وہ اصرار کرتے ہیں کہ قرآن میں کامیابی کی دی جانے والی ضمانت یا تو انبیاءؑ کی زندگیوں میں ان کے ساتھ ہی خاص ہے یا پھر اس کا تعلق آخرت کی کامیابی کے ساتھ ہے۔ مزید یہ کہ بعض ایسے اربابِ دانش تو اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ بعض انبیاءؑ بھی اس دنیا میں اپنی عملی جدوجہد میں کامیاب نہیں ہو پائے۔ (معاذ اللہ)

☆ ان تغیرات کے اسباب کے حوالے سے شیخ الاسلام مدظلہ کا نظریہ ہے کہ دورِ زوال میں سیاسی فکر علمی اعتبار سے تخلیقی کی بجائے توجیہی بن گئی یعنی اس کا موضوع محض یہ رہ گیا کہ ریاست کیا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں۔۔۔؟ حکومت کیا ہے اور اس کے مختلف شعبہ جات کون سے ہوتے ہیں۔۔۔؟ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کیا ہے اور اس کے فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں۔۔۔؟ حاکم اور رعایا کے مابین کیا تعلق ہونا چاہیے۔۔۔؟

اسلامی سیاسی فکر کا ایک انتہائی ناگزیر پہلو اس کے دائرہ کار سے مفقود ہو گیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مغلوب اور زوال وانحطاط کا شکار قوم، اپنی عظمت، وقار اور غلبے کو بحال کیسے کرسکتی ہے۔۔۔؟ ایک اسلامی فلاحی ریاست کیا ہے اور یہ قائم کیسے ہوتی ہے۔۔۔؟ عصرِ حاضر کا ''علم سیاست'' ان سوالات اور ان موضوعات سے بالکل بے بہرہ ہے اور یہ اس کے دائرہ کار میں شامل بھی نہیں ہیں۔ اسلامی سیاسی فکر میں عملی تغیرات کا نتیجہ ہے کہ اس وقت تمام عالمِ اسلام میں رائج تمام سیاسی نظام Status Quo کی منہ بولتی عملی تصویر ہیں۔

(۲) معاشی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

عالمی سطح پر اسلام کے سیاسی زوال نے اسلام کے معاشی نظام کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت عالمِ اسلام انتہائی معاشی بحران کا شکار ہے۔ یہ حرماں نصیبی ہے کہ اس وقت کوئی ایک مسلم ملک بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا نظر نہیں آتا۔ اسلامی معاشی نظام کے بنیادی لازوال و بے مثال خدوخال اس دورِ زوال میں اپنا تشخص اور موثریت کھو چکے ہیں۔ عصرِ حاضر میں اسلام کے معاشی نظام میں در آنے والی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

۱۔ اس سلسلے میں پہلی تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ نوآبادیاتی دور میں حکمران طاقتوں نے اپنے زیرِ اقتدار مسلم ممالک میں اسلام کے تصورِ امانت کو جاگیرداری نظام میں بدل دیا۔ انھوں نے اپنے مخالفین سے زمینیں اور جائیدادیں لے کر اپنے وفاداروں میں بانٹ دیں تاکہ وہ اس کے بدلے میں ان کے مفادات کے تحفظ کو یقینی بنا سکیں۔

☆ اسلامی معاشی نظام کے سنہری تصورِ امانت کے تحت کسی بھی علاقے کا مالک و قابض شخص اس علاقے کے تمام مستحقین کے تعلیمی، طبّی مالی اور سماجی تمام ضروریات کا کفیل وذمہ دار ہوتا تھا جبکہ جاگیرداری نظام کے تحت اپنے وفاداروں کو بانٹی جانے والی زمینوں کے وہ بلاشرکت غیرے مالک و قابض بن گئے اور ضرورت مندوں اور مستحقین کے حوالے سے انھیں کسی ذمہ داری کا احساس نہ رہا۔ یہ صورت حال اسلامی دنیا میں شدید معاشی بحران کا باعث بنی۔

۲۔ اسلامی معاشی نظام کے اندر دوسری بنیادی خامی یہ پیدا ہوئی کہ معیشت و ملکیت کے قرآنی و نبوی اصول و ضوابط کی جگہ فقہی اصول وضوبط اختیار کرلیے گئے۔

☆ شیخ الاسلام مدظلہ کے نزدیک فقہی قوانین وضوابط کا مقصد و وظیفہ پہلے سے رائج نظام کو قائم اور جاری رکھنا ہے۔ فرسودہ و بے ثمر نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کی جگہ منفعت بخش اور موثر نظام کو

قائم کرنا ان کے وظیفے میں شامل ہی نہیں۔ نتیجتاً صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ ہماری فقہی کتب اسلام کے تصورِ ملکیت اور ملکیت اصل میں ہے کیا؟ اس پر بحث ہی نہیں کرتیں۔ ان کا موضوعِ بحث فقط یہ رہ گیا ہے کہ کسی شے کی ملکیت حاصل کیسے ہوتی ہے۔۔۔؟ بیع و شراء، ھبہ اور وراثت وغیرہ کیا ہیں۔۔۔؟ کیونکہ قرآنی و نبوی تصورات؛ فقہی تصورات سے بدل گئے ہیں، جس کے نتیجے میں تمام مسلم معاشرے اس وقت اپنے اندر جاری معاشی بحران کا مقابلہ کرنے میں مکمل طور پر ناکام اور Status Quo کی عملی تصویر نظر آتے ہیں۔

۳۔ اسلام کے معاشی نظام میں ظاہر ہونے والی تیسری بڑی خرابی یہ ہے کہ مال دار اور خوشحال طبقے کے کندھوں سے معاشرے کے ضرورت مند اور محتاج افراد کی معاشی کفالت کی ذمہ داری کو اٹھا لیا گیا۔ جبکہ اسلامی معاشی نظام کے تحت کسی بھی مسلم معاشرے کے متمول اور صاحبِ حیثیت افراد کی یہ قانونی، سماجی، مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کے مفلوک الحال، مستحق اور محتاج لوگوں کی معاشی ضروریات کی کفالت کو یقینی بنائیں۔ مالدار اور خوشحال طبقے کی اس ذمہ داری کو قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

☆ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شیخ الاسلام مدظلہ کا نظریہ ہے کہ قرآن و سنت نے دوسروں کو اپنے مملوکہ اموال کے منافع اور ثمرات میں شریک کرنا ان کا شرعی حق قرار دیا ہے۔ اسے محض نفلی نیکی اور اضافی بھلائی سے تعبیر نہیں کیا۔ مالدار طبقے کے کندھوں سے ضرورت مندوں اور محتاج لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری کے اٹھ جانے نے غیر مشروط ملکیت اور قبضے کے تصور کو جنم دیا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ امیر اور غریب کے مابین خلیج بڑھتی چلی گئی جو کہ اسلام اور قرآن و سنت کی اصل روح کے سراسر منافی ہے۔

۴۔ چوتھی بڑی تبدیلی جو اسلام کے معاشی نظام کے اندر رونما ہوئی، وہ یہ کہ معیشت کو مذہب اور اخلاقیات سے بالکل جدا کر دیا گیا جس نے معاشرے میں مادیت پرستی اور سامراجی سوچ کو جنم دیا جس کے نتیجے میں امیر و غریب کے مابین تفریق مزید بڑھ گئی۔

☆ شیخ الاسلام مدظلہ کے مطابق مذکورہ بالا چار بنیادی نقائص ہیں جو دورِ زوال میں اسلام کی معاشی فکر کے اندر رونما ہوئے جس نے نہ صرف خود غرضی اور مادیت پرستی کو جنم دیا بلکہ معاشرے میں معاشی بحران اور امیر و غریب میں فاصلے بڑھانے کا بھی باعث بنے۔ اس خلیج کو پاٹنے اور معاشرے میں دولت کی منصفانہ، عادلانہ اور متوازن تقسیم کو یقینی بنانے کے لیے معاشی نظام کے مذکورہ نقائص کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اشد ضروری ہے۔

(۳) فقہی و قانونی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

اسلام کی سیاسی و معاشی فکر کے ساتھ ساتھ فقہی و قانونی فکر بھی دورِ زوال کے منفی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ لہٰذا اس میں بھی فکری و عملی ہر دو سطح پر منفی تبدیلیاں رونما ہوئیں:

ا۔ عملی سطح پر ہونے والے تغیر کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اسلام کے دورِ عروج میں شرعی عدالتیں قائم تھیں اور عدالتی نظام کو سرکاری و نیم سرکاری سطح پر ہر حوالے سے تفوق اور غلبہ حاصل تھا لیکن نوآبادیاتی دور کے اندر شرعی قانون کو محض شخصی و انفرادی قوانین تک محدود کر دیا گیا جبکہ دیگر شعبہ ہائے زندگی، مثلاً: معیشت، سیاست، تعلیم وغیرہ سے متعلق تمام معاملات انگلش قانون کے تحت سرانجام پانے لگے جس کے نتیجے میں انسانی زندگی واضح طور پر مذہبی و غیر مذہبی دو حصوں میں بٹ گئی۔ جبکہ قبل از نوآبادیاتی دور میں انسانی زندگی محض ایک اکائی تھی اور ایک ہی طرح کی عدالتیں ایک ہی قانون کو ایک اکائی کے طور پر زندگی کے تمام شعبہ حیات پر نافذ کرتی تھیں جبکہ دورِ زوال میں صرف نکاح، طلاق، وراثت، عبادات جیسے شخصی و خاندانی معاملات قانونِ شریعت کے تابع رہ گئے جبکہ دیگر تمام کاروباری، تجارتی، معاشی، عدالتی معاملات مروجّہ نظام کے تحت کر دیئے گئے۔

۲۔ شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں کہ مذکورہ تقسیم نے عملی دنیا کو بھی برابر متاثر کیا جس کے نتیجے میں تمام مسلم دنیا میں اسلامی قانون کے حوالے سے ہونے والی تمام قانون سازی محض شخصی اور خاندانی قوانین کے دائرے میں ہوئی جس سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح کی بنیادی تبدیلیاں اسلام کی قانونی و فقہی فکر میں رونما ہوئیں اور

کس طرح غیر حقیقی اور غلط طریقے سے اسلامی قانون کو محض شخصی اور خاندانی معاملات تک محدود کر دیا گیا۔ طرفہ یہ ہے سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں جو عدالتی و قانونی حوالے سے انجام دیا جانے والا کام ''مجلة الاحكام العدلية'' ہے، یہ بھی 800 شقوں پر مشتمل ''دیوانی قانون'' (Civil Law) ہے۔اسی طرح اس دورِ زوال میں مصر میں ''القوانين الشخصية'' اور لیبیا، اردن، شام، عراق اور پاکستان وغیرہ میں ساری قانون سازی شخصی و خاندانی دائرے میں ہی ہوئی۔ پاکستان میں 1961ء میں ''مسلم فیملی لاء آرڈیننس معرض وجود میں آیا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ آئین، سیاست، معیشت اور ہرجانہ و حق تلفی کے حوالے سے اسلامی قوانین کے عملی اطلاق کے لیے کوئی کاوش نہ کی گئی۔

انسانی زندگی میں دینی و لادینی اعتبار سے ہونے والی اس دوئی و تقسیم نے اسلامی قانون کو جمود و تعطل کا شکار کر دیا ہے اور علمی تحقیق و تدقیق کا دائرہ کار محض شخصی و خاندانی امور تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور عملی زندگی کے جملہ معاملات اس کے دائرے سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔

شخصی معاملات میں چونکہ کسی اجتہاد کی عموماً ضرورت پیش نہیں آتی، اس لیے لازمی نتیجے کے طور پر تصورِ تقلید مکمل جمود اور تعطل میں تبدیل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے اس دور میں ہونے والا تحقیقی کام (اگر ہم برصغیر کی ہی بات کریں) شخصی معاملات سے ہی متعلق ہے۔ مثلاً: طہارت، عبادات، نکاح و طلاق وغیرہ۔ جبکہ بہت کم علمی و تحقیقی کام دیگر معاملات سے متعلق ہے۔ کیونکہ تحقیق و اجتہاد کے متقاضی مسائل و معاملات، مثلاً: معیشت، سیاست، مختلف قوموں کے مابین روابط، عدلیہ، بینکاری، طب سے متعلقہ معاملات چونکہ شریعت کے دائرہ کار سے خارج قرار دے دیے گئے اور ان کے متعلق خاطر خواہ تحقیق نہ کی گئی، لہٰذا اس طرح کے تمام معاملات غیر اسلامی قوانین کے تحت انجام پانے لگے۔

۳۔ اس ساری صورت حال کے نتیجے میں تقلید کے ایک نئے تصور نے جنم لیا کہ اب اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں اور کوئی بھی شخص مجتہد حتی کہ ''مجتہد فی المسائل'' بھی نہیں ہو سکتا۔ تقلید محض کے سوا کسی کے لیے کوئی چارہ نہیں۔

✰ فقہی و قانونی فکر میں نظریاتی سطح پر ہونے والی منفی تبدیلیوں کے متعلق شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ دورِ زوال میں انسانی زندگی کے سیاسی، معاشی اور سماجی حرکات چونکہ بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے مگر مسلم مفکرین اور دانش ور حضرات تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر اجتہاد کی اہمیت و ناگزیریت کو محسوس کرنے سے بے نیاز رہے اور اس سلسلے میں مناسب اور مثبت اقدام نہ کیے جس کا لازمی نتیجہ قانون کے تقاضوں اور انسانی حیات کے مطالبات کے مابین تصادم کی صورت میں نکلا۔ لہٰذا صورت حال کا مقابلہ کرنے اور امت مسلمہ کے افراد کو اسلامی اقدار و قوانین کے تابع رکھنے کے لیے ''اصول اجتہاد'' کو متحرک و قابل عمل بنانا لازمی و ضروری ہے۔

(۴) سماجی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

سماجی و عمرانی فکر پر اسلام کے دورِ زوال میں ہونے والے منفی اثرات کو بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کسی بھی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین عناصر پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ عمرانیات ۲۔ معیشت ۳۔ سیاست

یہ تینوں عناصر باہم جڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی بگاڑ دیگر عناصر کو بھی لازمی طور پر متاثر کرتا ہے۔

عمرانی سطح پر ہونے والے تغیر کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ دورِ زوال میں امت مسلمہ کی سماجی وحدت کا محرک دین اسلام کی بجائے حب الوطنی بن گیا۔ جس کی وجہ سے معاشرے سے جذبۂ اخوت معدوم ہو گیا، جس کا نتیجہ نسلی تفاخر اور خود پسندی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ نسلی تفاخر نے مزید علاقائی اور سماجی درجہ بندی کی راہ ہموار کی۔ عمرانی سطح پر پیدا ہونے والی اس خرابی نے انسانی زندگی کے معاشی عنصر کو بھی متاثر کیا تو اس کے نتیجے میں افرادِ معاشرہ میں لالچ، خود پسندی اور دولت کی حرص و ہوس کے منفی جذبات پیدا ہونے لگے اور پھر اس تمام پیدا شدہ صورتِ حال نے سیاسی عنصر کو متاثر کرتے ہوئے جب قوت و اقتدار کی ہوس کو جنم دیا تو یہاں بھی سیاسی قوت و غلبہ کے حصول کی جنگ میں صحیح و غلط، جائز و ناجائز، حلال و حرام اور قانونی و غیر قانونی کی تمیز باقی نہ رہی۔

آپ مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ نوآبادیاتی دور میں مسلم ممالک میں قانونِ شریعت کو معطل کر دیا گیا جو باہمی وحدت کا

ایک ذریعہ تھا اور اس کی جگہ مغربی قانون کو نافذ کر دیا گیا۔ نتیجتاً جب عملی زندگی کے تمام تر مطالبات مغربی قانون سے پورے ہونے لگے تو دین اسلام انسانی زندگی میں محض عبادات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ عبادات اور دنیوی معاملات کی اس واضح تفریق نے انسان کی اپنے خالق کے ساتھ اخلاص، فرمانبر داری اور وفاداری کے تعلق کو کمزور کر دیا۔

(۵) تہذیبی و ثقافتی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

اس سلسلے میں ہونے والے تغیرات کا تجزیہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام مد ظلہ فرماتے ہیں کہ فی الوقت اسلامی تہذیب و ثقافت بنیادی طور پر تین طرح کے خطرات کا شکار ہے:

۱۔ نظریاتی ۲۔ ثقافتی ۳۔ جذباتی

نظریاتی طور پر مسلم معاشرے اور نوجوان نسل بالخصوص واضح طور پر مغربی و اشتراکی مادی فکر اور رویوں سے متاثر ہو کر اسلام اور اس کی تعلیمات سے دور ہو رہے ہیں اور اس طرح ان کا دینِ اسلام سے تعلق کمزور اور متزلزل ہو رہا ہے۔ موجودہ حالات میں حاوی و غالب مغربی و اشتراکی افکار سے مرعوبیت کی بناء پر آج کی نوجوان مسلم نسل اسلام کے اخلاقی، سماجی، سیاسی، قانونی اور آئینی افکار کی برتری و فوقیت اور عصرِ حاضر میں اس کی عملیت کے بارے میں تشکیک کا شکار ہے جبکہ ثقافتی سطح پر مسلم معاشروں نے مغربی ولادینی ثقافت کو عملی طور پر اس حد تک اپنا لیا ہے کہ ان کے سماجی و معاشی تصورات بدلنے لگے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مسلم معاشروں کی اخلاقی، سماجی اور خاندانی اقدار روبہ زوال ہونے لگی ہیں۔

مزید یہ کہ جذباتی سطح پر مغربی ثقافت کے زیرِ اثر ایسے اعمال وافعال اور ایسی عادات مسلم معاشروں میں رواج پانے لگی ہیں جو دینِ اسلام میں غیر اخلاقی اور غیر اسلامی قرار دی گئی ہیں۔ مثلاً: شراب نوشی، جوا، بے حیائی اور شہوات پرستی وغیرہ۔ ان غیر اسلامی اور غیر اخلاقی اعمال و عادات کے ارتکاب نے مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں کے اخلاق و کردار کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

(۶) دینی و روحانی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

دینی و روحانی فکر میں پیدا ہونے والی خرابیوں کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے شیخ الاسلام مد ظلہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ اسلام کو عملی طور پر آخرت کا معاملہ سمجھا جانے لگا اور روزمرہ زندگی اور اس کے جملہ معاملات کے ساتھ اس کا تعلق منقطع کر دیا گیا تو اسلامی عقائد و عبادات محض رسوم بن کر رہ گئے اور ان کی حیثیت بھی انفرادی و اجتماعی زندگی کے اندر بالکل دیگر مذاہب کے عقائد و رسوم جیسی ہی رہ گئی۔

۲۔ دوسرا یہ کہ وحی پر مبنی علم اور انسانی تراشیدہ علم میں بھی کوئی فرق برقرار نہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقلی اور بیانیہ علوم نے قرآنی علوم پر غلبہ پالیا۔ انجام کار براہِ راست قرآن مجید سے اخذ ہدایت کے برعکس تمام تر علمی و تحقیقی کاوشیں معاون علوم سے ہدایت کے اخذ کرنے میں صرف ہونے لگیں۔

۳۔ تیسرا یہ کہ اسلام اور اس کی تعلیمات کو خود تراشیدہ تصورات کے تحت سمجھنے کی کوشش کی جانے لگی اور ''تکمیلِ دین'' اور ''ختمِ نبوت'' کے خصوصی تصورات جو امتِ مسلمہ کے سماجی، ثقافتی، تعلیمی اور قومی تشخص کا استعارہ تھے، ان کو اس حد تک مسخ کر دیا گیا کہ اصل روح اور مؤثریت تمام مذہبی اعمال وافعال سے معدوم ہو گئی۔

۴۔ چوتھا یہ کہ شریعت اور اس کے ''منہاج'' (طریقہ، راستہ) میں کوئی فرق برقرار نہ رہا۔ اس وقت مسلمان، شریعت کے ساتھ تو منسلک ہیں مگر اس کے ''منہاج'' سے بالکل منقطع اور لاتعلق ہیں جبکہ قرآن مجید نے ان دونوں کے مابین بہت قریبی تعلق قائم کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً۔ (المائدۃ، ۵: ۴۸)

'' ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور کشادہ راہِ عمل بنائی ہے۔''

۵۔ پانچواں یہ کہ کلی زوال کے نتیجے میں جب ایک طرف اسلام کو فقط انفرادی سطح تک محدود کر دیا گیا اور سیاسی قوت و غلبہ اس سے چھین لیا گیا اور دوسری طرف دینی و مذہبی قیادت جذبہ، تاثیر اور نتیجہ خیزی قرآن سے اخذ کرنے میں ناکام رہی تو ان کی وعظ و تبلیغ اثر انگیزی سے محروم ہو گئی۔ آج وعظ و تبلیغ؛ قوتِ نافذہ کی جلال و عظمت، حکمت کے نور اور ایمان و یقین کی قوت سے محروم ہے۔ جب انسانی زندگی کی تمام ضروریات اور مطالبات احکامِ شریعت کی

نافرمانی سے پورے ہو رہے ہوں تو پھر لوگوں کو کب تک محض آخرت کی سزا کے خوف سے صراطِ مستقیم پر قائم رکھا جاسکتا ہے۔

(۷) تعلیمی و تربیتی فکر میں رونما ہونے والے تغیرات

اسلام کے دورِ عروج میں اس کے نظامِ تعلیم میں دینی اور دنیاوی علوم دونوں شاملِ نصاب تھے اور طب، ریاضی، جیومیٹری، جغرافیہ، منطق، فلکیات جیسے علوم قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصولِ فقہ کے ساتھ ساتھ ایک ہی تعلیمی درسگاہ میں پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن شومئ قسمت کہ دورِ زوال میں نظامِ تعلیم دینی و دنیاوی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ علوم کی اس تقسیم نے ان علوم کے حاصل کرنے والوں میں ایک بڑی واضح خلیج اس حد تک پیدا کر دی کہ یہ دونوں دریا کے کبھی نہ ملنے والے کناروں کی صورت اختیار کر گئے۔ اس تفریق اور دونوں کے مابین عدم ربط کی صورتِ حال کو بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام کچھ یوں رقمطراز ہیں کہ:

شومئ قسمت یہ کہ آج سائنس اور انگریزی تعلیم کو علیحدہ تصور کیا جانے لگا اور انھیں حاصل کرنے والے کو کافر کہا جانے لگا اور یہ تصور کیا جانے لگا کہ ان علوم کو حاصل کرنے والے کا دینی علوم و دین کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔''

۱۔ عالمِ اسلام کے تعلیمی نظام میں پیدا ہو جانے والے نقائص اور خامیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام مدظلہ نے بیان کیا ہے کہ دینی مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب بھی دورِ زوال میں جمود و تعطل کا شکار ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مدارس کے نصاب میں کبھی ترمیم و اضافہ یا ضروری اصلاحات نہیں کی گئیں جن کے ذریعے اس کو بدلتے ہوئے وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق موثر اور مفید بنایا جاسکے بلکہ اس کے برعکس آج تک وہی صدیوں پرانا نصاب جاری و ساری ہے، جسے محترم علامہ نظام الدین (1748ء۔ 1677ء) نے اس دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ لہٰذا دورِ جدید کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق نئے نصاب کی تشکیل کی اہمیت کو آشکار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''تقاضائے وقت ہے کہ آج سائنسی علوم کو داخلِ نصاب کیا جائے اور اس کے ذریعے ذہن کی تربیت کر کے اسے اس قابل بنایا جائے کہ وہ دورِ نو کی ضروریات کے مطابق قرآن و حدیث کی توضیح کر سکیں۔''

۲۔ ایک اور خامی جو تعلیمی میدان میں پیدا ہوئی، وہ یہ کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ قرآن کی جگہ اس کی تفاسیر اور ان سے متعلقہ علوم نے لے لی اور اخذ ہدایت کے سلسلے میں قرآن کی بجائے ان کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ شیخ الاسلام کے مطابق: تفسیر اس امر سے بحث کرتی ہے کہ قرآنی علوم کیا ہیں؟ اس کی توضیحات کس طرح ممکن ہیں جبکہ قرآن حکیم علم سے نہیں بلکہ براہِ راست عمل سے بحث کرتا ہے۔

لہٰذا دورِ حاضر میں عصری تقاضوں کے مطابق ایک نئے علمِ تفسیر کی ناگزیریت کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''آج اس امر کی ضرورت ہے کہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے تقاضوں اور ضروریات کے لیے قرآن مجید سے سوالات کیے جائیں پھر ان کے جو جوابات قرآن حکیم سے میسر آئیں، ان کا نام تفسیر رکھا جائے۔''

۳۔ اسی طرح تعلیمی کے ساتھ ساتھ اخلاقی و تربیتی فکر میں پیدا ہو جانے والی خامیوں اور نقائص کی وجوہات کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ''زندگی کے جملہ شعبوں کے تغیرات کے زیرِ اثر آجانے سے اسلامی معاشرہ اخلاقی قدروں کے فقدان کا شکار ہو گیا کیونکہ جس معاشرے میں زندگی کا ہر تقاضا اخلاقی حدود کی خلاف ورزی سے پورا ہو رہا ہو، جہاں بدی کے ہاتھوں نیکیاں پامال ہو رہی ہوں، وہاں اخلاقی قدریں کیونکر بحال رکھی جاسکتی ہیں۔'' (قرآنی فلسفہ انقلاب، ۱: ۴۱۸۔ ۴۲۵)

معزز قارئین! بانی تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی فکر و نظریہ کے مطابق امتِ مسلمہ کے حالیہ کلی و ہمہ جہتی زوال کے نتیجے میں رونما ہونے والے اِن مذکورہ تغیرات کے تدارک سے ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ، امتِ مسلمہ کے عروج و تمکنت اور عظمت رفتہ کی بحالی ممکن ہے۔ احیائے اسلام، تجدیدِ دین اور اصلاحِ احوال کے عظیم مصطفوی مشن کے ذریعے شیخ الاسلام امتِ مسلمہ میں مذکورہ جہات میں ہونے والی تبدیلیوں اور تغیرات کی اصلاح کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم ﷺ کی توجہات کے طفیل اس منزل کے حصول میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور فرمائے اور جلد از جلد مصطفوی معاشرے کی تشکیل کے خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

❀❀❀❀❀

فَتْحُ الْعَلَّامِ الْقَادِرِ فِيْ اَلْقَابِ شَيْخِ الْاِسْلَامِ طَاهِرٍ

وهي قصيدة تحتوي على تسعة عشر بيتاً و لقباً لشيخ الاسلام والمسلمين، حجة المحدثين

ذي الفضائل الباهرة، مجدد المأة الحاضرة، الدكتور **محمد طاهر القادري**

نفعنا الله ببركاته مؤسس منظمة منهاج القرآن الدولية

وهو عدد يشبه تاريخ ميلاده الشريف

نظمها: محمد لطيف الحسن، واهداها الى حضرته: محمد شاهد الحسن

أبناء العلامة محمد مستان شريف النوري الجشتي القادري

من مدينة وجيوارا، بولاية آندرا ابرديش بالهند

اَلَا بِاسْمِ رَبٍّ ذِيْ جَلَالٍ وَهَيْبَةٍ — وَقَهْرٍ وَّسُلْطَانٍ وَّعِزٍّوَّ قُدْرَةٍ

وَ بِالْفَيْضِ مِنْ خَتْمِ النَّبِيِّيْنَ اَحْمَدَ ﷺ — رَسُوْلِ الْوَرٰى وَاللّٰهِ نُوْرِ الْحَقِيْقَةِ

نَظَمْنَا بِتَوْفِيْقِ الْاِلٰهِ قَصِيْدَةً — جَمَعْنَا بِهَا اَلْقَابَ قُطْبِ[1] الْخَلِيْقَةِ

يُسَمّٰى بِطَاهِرٍ شَيْخِ اِسْلَامِنَا[2] مَعاً — وَهَادٍ[3] لِاَهْلِ الدِّيْنِ مِنْ اَهْلِ سُنَّةٍ

اَلَا وَهُوَ لِلدِّيْنِ الْحَنِيْفِ مُجَدِّدٌ[4] — وَاُسْتَاذُ[5] جَمْعٍ مِّنْ اَسَاتِيْذِ مِلَّةٍ

فَمِنْهَاجُهُ مِنْهَاجُ قُرْآنِ رَبِّنَا — مُطِيْعٌ[6] لِمَوْلٰى تَابِعٌ[7] خَيْرَ سُنَّةٍ

حَلِيْمٌ[8] وَقُوْرٌ[9] بَيْنَ اَصْحَابِ دِيْنِنَا — كَلَيْثٍ[10] بِجَمْعٍ مِّنْ لُّيُوْثٍ اَعِزَّةٍ

اَلَا نُوْرُ وَجْهِ الشَّيْخِ مَا كُنْتُ وَاصِفَهُ — كَبَدْرٍ[11] اَتَمِّ طَالِعٍ كُلَّ لَيْلَةٍ

لَقُرْآنِنَا ذَا الشَّيْخُ حَقًّا مُفَسِّرٌ[12] — يُنِيْرُ الْوَرٰى مِنْ فَيْضِ اَنْوَارِ اٰيَةٍ

وَلِسُنَّةِ الْبَيْضَاءِ وَالْفِقْهِ خَادِمٌ[13] — كَمَا اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ زُهْدٍ[14] وَّرِقَّةٍ

بَنٰى حُجْرَةً دَوْمًا يُّصَلّٰى بِهَا عَلٰى — شَفِيْعٍ حَبِيْبِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ وَقْفَةٍ

لِاِحْيَاءِ دِيْنٍ قَامَ بِالْاَسِّ مَدْرَساً — فَتُتْلٰى بِهٖ اٰيَاتُ رَبِّ الْبَرِيَّةِ

تَصَانِيْفُهُ فِيْ كُلِّ فَنٍّ رَقَائِمٌ — وَفِيْ كُلِّ عِلْمٍ ذَاتُ وَفْرٍ وَّكَثْرَةٍ

لِطُلَّابِ حَقٍ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ — زَعِيْمٌ[15] وَدَاعٍ[16] مُرْشِدٌ[17] ذُوْكَرَامَةٍ[18]

رَبَطْنَا بِذِكْرِ الشَّيْخِ حَقًّا قُلُوْبَنَا — بِحَبْلٍ فَلَا تَنْفَكُّ فِيْ اَيِّ حَالَةٍ

فَلَوْ يُخْبِرُاللّٰهُ الْمُهَيْمِنُ طَاهِرًا — بِحَالِيْ وَحِرْمَانِ زَادِيْ لِوُصْلَةٍ

فَيَا رَبَّنَا اجْمَعْ بَيْنَهٗ ثُمَّ بَيْنَنَا — بِدُنْيَا وَعُقْبَانَا وَحَشْرٍ وَّجَنَّةٍ

كَرِيْمٌ[19] فَلَمْ يُحْرِمْ لِمَنْ جَاءَ رَاجِيًا — جَزَى اللّٰهُ عَنَّا ثُمَّ عَنْ كُلِّ اُمَّةٍ

لَطِيْفٌ حَقِيْرٌ عَاجِزٌ جَاءَ قَاصِدًا — تَقَبَّلْ اَيَا شَيْخِيْ فَهٰذِيْ قَصِيْدَتِيْ

پاکستان سمیت دنیا بھر میں قائد ڈے کی تقریبات

''سفرِ تجدید'' گیلری کی زبردست پذیرائی شیخ الاسلام کا ویمن لیگ کو خراج تحسین

ڈاکٹر طاہر القادری کا علمی کام ایک فرد نہیں بلکہ لاکھوں افراد کا کام لگتا ہے: مجیب الرحمن شامی

خصوصی رپورٹ: رمیض حسین

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا 72 واں یوم پیدائش پاکستان سمیت منہاج القرآن کے دنیا بھر میں قائم اسلامک سنٹرز میں منایا گیا۔ اس موقع پر کارکنان اور شیخ الاسلام سے محبت رکھنے والے افراد نے کیک کاٹے۔ سیمینارز کا اہتمام کیا اور شیخ الاسلام کی علم وامن کے لئے انجام دی جانے والی خدمات پر انہیں زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

ا۔ یوں تو دنیا بھر میں 19 فروری کو شیخ الاسلام کے یوم پیدائش کو قائد ڈے کے طور پر منایا گیا مگر امسال منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ میں قائد ڈے کو منفرد انداز میں منایا گیا۔ اس ضمن میں منہاج القرآن ویمن لیگ کی طرف سے ''سفرِ تجدید'' کے نام سے مرکزی سیکرٹریٹ کے صفہ ہال میں ایک گیلری قائم کی گئی جس میں شیخ الاسلام کے بچپن سے لے کر تاحال مصروفیات، دینی وملی خدمات کو تصاویر کے ذریعے نمایاں کیا گیا اور اس ساری جدوجہد کو دہائیوں میں تقسیم کیا گیا۔ گیلری کے موضوعات کی اہمیت وانفرادیت اپنی جگہ مگر جس نفاست کے ساتھ تکنیکی کام پایہ تکمیل کو پہنچایا گیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیات نے گیلری کے دورہ کے موقع پر اس سارے آئیڈیا اور کام کو بے حد سراہا۔

☆ گیلری کے منفرد اور اچھوتے آئیڈیاز کے خواب میں تعبیر کے رنگ بھرنے پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ویمن لیگ کی تمام ذمہ داران کو مبارکباد دیتے ہوئے سال 2023ء کو ویمن لیگ کے سال سے تعبیر کیا اور شیخ الاسلام کے حکم پر قائد ڈے کے موقع پر مرکزی تقریب میں شریک ہزاروں افراد نے کھڑے ہو کر منہاج القرآن ویمن لیگ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ بلاشبہ منہاج القرآن ویمن لیگ کے لئے یہ ایک تاریخ ساز خراجِ تحسین ہے جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

☆ گیلری کا افتتاح منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کیا۔

☆ اس موقع پر معروف دانشور، کالم نویس اوریا مقبول جان نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کا بچپن سے لیکر آج تک کا سفر میرے سامنے ہے۔ ان کا سفر اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر ہے ''ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے...... وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ''۔

☆ معروف کالم نویس مظہر برلاس نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری بلاشبہ ایک ماڈرن فکر رکھنے والے مذہبی سکالر، روشن خیال سیاستدان اور محب وطن شخصیت ہیں جنہوں نے سیاست کے ساتھ ساتھ تعلیم اور تجدیدِ دین کے باب میں نئی تاریخ رقم کی۔

☆ گیلری کی افتتاحی تقریب کے موقع پر ڈاکٹر اصغر زیدی، فضہ حسین قادری، صوفیہ بیدار، راحیلہ رشید، رانا محمد فاروق، ناصر شیرازی، رابی پیرزادہ، بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، خرم نواز گنڈاپور، ڈاکٹر فرح ناز، سدرہ کرامت، لہراسب گوندل ایڈووکیٹ، میاں عمران کمیانہ نے بھی اظہار خیال کیا۔

۲۔ منہاج القرآن کے زیراہتمام مرکزی تقریب میں ملک کے ممتاز ثناخوان مصطفی نے گلہائے عقیدت پیش کئے اور معروف قوال شیر میانداد نے صوفی کلام پیش کر کے بے پناہ داد حاصل کی۔ تقریب میں سجادہ نشین کوٹ مٹھن شریف محترم حضرت پیر خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ اور سجادہ نشین دربار فرید الدین گنج

شکر پاکپتن شریف محترم حضرت پیر احمد مسعود دیوان نے قائد ڈے کی تقریب میں خصوصی شرکت کی اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

۳۔ قائد ڈے کے سلسلہ میں اہم تقریب منہاج یونیورسٹی لاہور میں منعقد ہوئی۔ منہاج یونیورسٹی لاہور ہر سال ''فاؤنڈر ڈے'' مناتی ہے اور اس موقع پر قرعہ اندازی کے ذریعے خوش نصیب احباب کو عمرے کے ٹکٹ بھی دیئے جاتے ہیں۔ منہاج یونیورسٹی کی طرف سے بیسٹ ٹیچر ایوارڈ دینے کے ساتھ ساتھ لاکھوں روپے کے ''شیخ الاسلام تعلیمی وظائف'' بھی دیئے جاتے ہیں۔ فاؤنڈر ڈے کی تقریب میں استاد باقر عباس نے بانسری کی مدھر دھن پر صوفی کلام سنا کر زبردست داد وصول کی۔ تقریب میں مجیب الرحمن شامی، معروف آرٹسٹ ہنی البیلا، معروف اینکر پرسن بیرسٹر احتشام امیر الدین نے اظہار خیال کیا۔

☆ تقریب میں مجیب الرحمن شامی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کسی ایک شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے کام کو دیکھیں تو لگتا ہے یہ لاکھوں لوگوں کا کام ہے اور ایسا کام اللہ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ حکیم الامت نے فرمایا تھا کہ "ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی، شان" جب اس مصرعہ کو دیکھتا ہوں تو اس کا مخاطب شیخ الاسلام کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا۔ میں نے ڈاکٹر طاہر القادری پر تنقید بھی کی ان کے بعض فیصلوں سے اختلاف بھی کیا مگر میری زندگی میں ڈاکٹر طاہر القادری ایک ہی شخص ہیں جنھوں نے تنقید کے باوجود برا نہیں منایا اور جب بھی ان سے ملاقات ہوئی وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملے۔ اس شخصیت کے افکار اور کام سے استفادہ کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری جیسی شخصیت کی پاکستان کو ضرورت ہے۔ جب دہشت گردی کی وجہ سے زبانیں خاموش تھیں اور اس موضوع پر بات کرتے ہوئے لوگ سہمے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ایک ہی آواز دنیا میں اسلام کی پرامن تعلیمات کے لیے بلند ہو رہی تھی اور وہ آواز ڈاکٹر طاہر القادری کی تھی۔

۴۔ منہاج انسٹیٹیوٹ آف قرأت و تحفیظ القرآن دارالعلوم فریدیہ قادریہ جھنگ، راولپنڈی، کروڑ لعل عیسن، روجھان، ٹیکسلا، لیاقت پور، اوکاڑہ، ساہیوال، فیصل آباد، جھنگ، جہلم، چکوال، کراچی، حیدر آباد، شیخوپورہ، قصور، سیالکوٹ، ملتان، بہاولپور، چیچہ وطنی، کوئٹہ، دیپالپور، جعفر آباد سمیت مختلف شہروں، تحصیلوں اور قصبات میں ہزاروں کی تعداد میں کیک کاٹے گئے اور تقاریب منعقد ہوئیں۔

۵۔ قائد ڈے کے سلسلے میں آغوش آرفن کیئر ہوم، منہاج ویمن کالج، تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹ، ایف ایم آر آئی، یوتھ لیگ، ایم ایس ایم، پاکستان عوامی تحریک، کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز کے زیر اہتمام تقاریب کا انعقاد ہوا اور کیک کاٹے گئے۔ منہاج القرآن کے تعلیمی ادارہ کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز کے فارغ التحصیل سکالرز کے فورم منہاجینز فورم کی طرف سے بھی ایک خصوصی تقریب میں کیک کاٹا گیا اور شیخ الاسلام کو ان کی بے پناہ خدمات پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔

۶۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 72 ویں سالگرہ کی مناسبت سے منہاج القرآن انٹرنیشنل کینیڈا کے زیر اہتمام خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب میں صاحبزادہ شیخ حماد مصطفی المدنی القادری، صاحبزادہ شیخ احمد مصطفی العربی القادری نے خصوصی شرکت کی اور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی سالگرہ کا کیک کاٹا۔ تقریب میں تلاوت، نعت، عارفانہ کلام اور قوالی پیش کی گئی۔ تقریب میں صدر MQI کینیڈا خواجہ کامران رشید، پاکستانی کمیونٹی کے لوکل فوکل پرسن چودھری جاوید گجر، ڈاکٹر احسان اللہ وڑائچ، بیرسٹر محمد اقبال کھچی، ارشد بھٹی (CEO ٹورنٹو 360)، علی شان (Z9 ٹی وی چینل)، بدر منیر چودھری (CEO کینیڈا ون ٹی، اخبارِ پاکستان کینیڈا)، صوفی محمد طارق، فہیم انور رندھاوا، چوہدری افضل، ظفر ارشد، علامہ احمد اعوان، حسنین حمید، شیخ عبداللہ راجہ، علامہ سہیل صدیقی، شازیہ شفیق، منہاج القرآن انٹرنیشنل کینیڈا کے ذمہ داران، کینیڈا میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کی مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے شرکت کی۔ آخر میں شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی درازیٔ عمر کی دعا کی گئی۔

۷۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام برطانیہ، امریکہ، ہانگ کانگ، ناروے، فرانس، ہالینڈ، ڈنمارک، بلجیم اور یورپ کے ممالک اور مختلف شہروں میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی سالگرہ کے موقع پر اظہار مسرت کے طور پر کیک کاٹے گئے اور شیخ الاسلام کی صحت و تندرستی اور درازی عمر کے لئے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ ❁❁❁❁❁❁

قائد ڈے تقریب: کینیڈا

سفرِ تجدید: پکٹوریل گیلری افتتاحی تقریب

فاؤنڈرڈے تقریب منہاج یونیورسٹی لاہور

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE

Regd CPL No.41

MUL

ADMISSIONS 2023
Spring

ADP | **BS** | **BS** 5th Semester | **MPhil** | **PhD**

WORLD RANKED **GREEN CAMPUS**
IN THE **HEART** OF **LAHORE**

Morning and Weekend Classes

HEC

APPLY ONLINE admission.mul.edu.pk CALL US 03 111 222 685